June 7, 1983 · JULY 8 1983

نہ لاؤ کبھی یاس کی گفتگو ۔ کہ قرآن میں آیا ہے لاتقنطوا

پیغامبر

THE MESSENGER

FORTNIGHTLY NEWSPAPER

PERSONNEL
Phone: 416-282-8871

100 CARONIA SQUARE, SCARBOROUGH, ONTARIO, CANADA M1B 2Z8

REPRESENTATIVE
F. J. Kowalski
Phone: 416-922-5255

پاکستان نے حملہ کیا تو بھارت بھرپور جواب دے گا: اندرا گاندھی

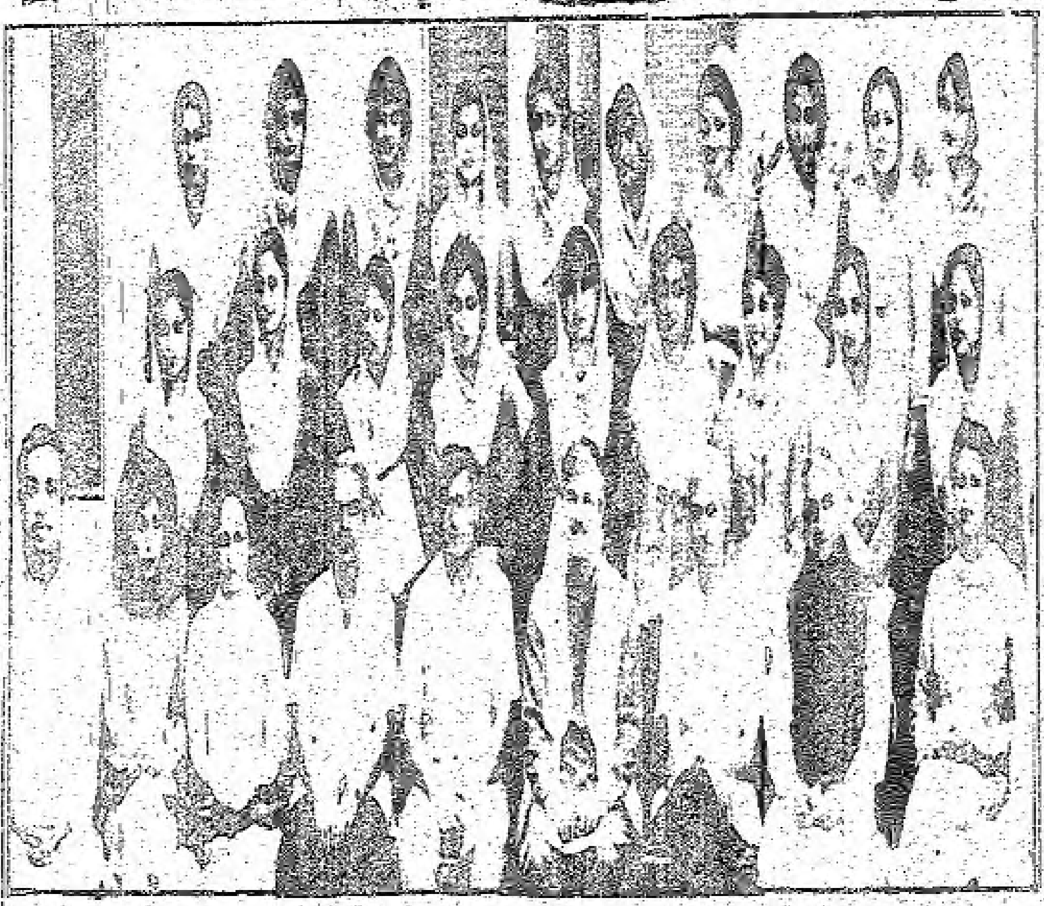

بھارت کو سنگین بیرونی اور اندرونی خطرات کا سامنا ہے

کشمیر میں علیحدگی پسندی اور استصواب رائے کے خطرناک نعرے لگائے جا رہے ہیں

سکھوں کی ایجی ٹیشن کے پیچھے بیرونی طاقتوں کا ہاتھ ہے

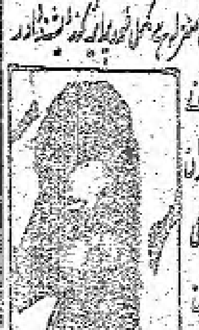

ہوتا ہے شب و روز تماشا میرے آگے

ایف۔ ڈی فاروقی

- جب ایک لولا لنگڑا فاتح القلم پاکستان کا گورنر جنرل بنا
- صحافیوں اور ادیبوں نے جمہوریت کی لاش کو کس طرح رسوا کیا۔
- لوگ بکتے ہیں تو بکنے دو،
- اور اخبارات نے عوامی کرتے پہن کر بے جمالو کا رقص شروع کر دیا۔

قارئین وطن! سندھ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس جناب عبدالحئی قریشی نے کراچی میں ہونے والے قائد اعظم پریس کنونشن میں ایک ایسا چونکا دینے والا انکشاف فرمایا ہے جسے سُن کر پاکستان کے تمام اخبار والے بھی ایک دفعہ سکتے میں آگئے ہیں۔ انہیں اس انکشاف پر یقین نہیں آرہا۔ ایک ایسی خبر جس سے اہل پاکستان ابھی تک بے خبر تھے۔

اور جناب! پریس کنونشن میں چیف جسٹس جناب قریشی نے تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

"پاکستان کے اخبارات کے مالکان اور ایڈیٹر صاحبان نہایت ایماندار، دیانت دار اور بے حد ذمہ دار ہیں۔"

اللہ تعالیٰ ہمارے چیف جسٹس صاحب کو خوش رکھے۔ انہوں نے ہم بے خبروں اور نا سمجھوں کو صحیح صورت حال سے آگاہ کیا۔ ورنہ ہم تو دھوکے میں ہی مارے جاتے ان کے لیے ہمارے لوں لوں سے دعائیں نکل رہی ہیں گو یہ ان کا عدالتی فیصلہ نہیں تاہم ان کی جانب سے پاکستان کے صحافیوں اور ناشروں کے لیے پاکدامنی کی ایک عادلانہ سند ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہی سند ان کی عاقبت کو بہتر بنا دے۔ وطن دشمن لوگوں کی باتوں میں آکر ہم ابھی تک یہی سمجھتے رہے کہ ہمارے ملک میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والے اور چڑھتے سورج کی پوجا کرنے والے پاکستان کے اخبار نویس ہی ہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان بننے کے بعد ہمارے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان مرحوم نے جب کرسی سنبھال کر جمہوری اقدار کو پاؤں تلے پامال کیا تو انہی اخبارات نے موصوف کو جمہوریت کے آفتاب کا لقب عطا فرمایا۔

اور جناب! ہندوستان کے پہلے یوم آزادی پر بھارت کے قومی پرچم ترنگے کو سلامی دے کر وفاداری کا حلف اٹھانے کے بعد پاکستان بھاگ آنے والے جگادری چوہدری خلیق الزماں کو محب وطن ہیرو کا خطاب بخشنے والے بھی یہی اخبارات تھے۔

پاکستان میں جمہوریت پر ڈاکہ ڈالنے والے غلام محمد کو ...

سکندر مرزا کو اہلاً و سہلاً مرحبا کہا۔ صدر محمد ایوب نے ملک پر قبضہ کیا تو ایک آمر کی تعریف میں صحافیوں اور ادیبوں نے دائرہ مخلد بنا کر بنیادی جمہوریت کی ٹرین پر جمہوریت کی لاش لاد کر پورے ملک میں رسوا کیا۔ عیاش اور شرابی ہر وقت دھت رہنے والے یحییٰ خان نے صدر ایوب کو سازشوں سے پچھاڑ کر جب حکومت پر قبضہ جمایا تو اسے وقت کا عظیم راست باز اور مدبر قرار دینے والے ہمارے صحافی حضرات ہی تھے ذوالفقار علی بھٹو برسر اقتدار آئے تو اکثر اخبارات نے عوامی کرتے پہن کر بے جمالو کا رقص شروع کر دیا۔

لوگ کہتے ہیں کہ — اخبارات کا فرض ہے کہ عوام کو شعور کی روشنی اور خیال بخشیں۔ انسانی حقوق کی پاسبانی اور تحفظ کے لیے دنیا کے کسی خطہ میں جبر ظلم یا بے انصافی ہو رہی ہو تو اس کے خلاف آواز بلند کریں۔ اگر قوم و ملک پر کوئی کڑی گھڑی آجائے تو لوگوں کے شکستہ دلوں میں جذبہ ہمت اور حوصلوں کو بلند کریں۔ عوام کو ماضی کے تلوے چاٹنے کی بجائے حال پر گرفت اور مستقبل پر اعتماد کرنے کا درس دیں حکومت کی غلط پالیسیوں پر دیانتداری سے کھری کھری تنقید کریں۔ اپوزیشن کی غلط روش پر نکتہ چینی کر کے انہیں وسعت نظر اور کشادگی قلب کا راستہ دکھائیں۔

لیکن اے کاش جب سے پاکستان قائم ہوا ہے تب سے لے کر اب تک ہمارے یہ اخبار والے ہر آنے والے کو فرشتہ اور جانے والے کو غدار کا مرتبہ بخشتے چلے آرہے ہیں۔

استاد امام دین کہتے ہیں کہ لوگ اگر بکتے ہیں تو بکنے دو۔ ان کی باتوں میں نہ آؤ۔ انصاف والوں نے انصاف کی بات کی ہے۔ اور ہمارا تو ایمان ہے کہ آنے والے واہ واہ، اور جانے والے ٹھاہ ٹھاہ اور سنو، انصاف کا بول بالا، جھوٹے کا منہ کالا کی خوبصورت کہاوت بھی شاید ایسے ہی موقع کے لیے کہی گئی ہے۔ لوگ بکتے ہیں انہیں بکنے دو۔

پاکستان کی صحافت زندہ باد

اپنی تقریبات کو یادگار بنائیے

ہر تقریب کی ویڈیو فلم بنوائیے

ہر چھوٹی بڑی تقریب کی ویڈیو فلم بنوانے کیلئے ہمیں خدمت کا موقع دیجیے۔

فلم بنانے کا معاوضہ صرف ۲۰ ڈالر ہے

آج ہی رابطہ قائم کریں

KAY'S ZOOM-IN

282-9573

(شام ۵ بجے کے بعد)

گاندھی لوہے کا انسان

اسرار اشفاق

آجکل گاندھی جی کی ایک بہت پرچار ی فلم ان کے نام سے مختلف ملکوں میں دکھائی جا رہی ہے۔ میں نے گاندھی جی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ شملہ سے پہلے ایک اسٹیشن آتا ہے سمر ہل۔ سمر ہل اور شملہ کے درمیان فاصلہ دو میل ہے۔ رہائش کی قلت کی وجہ سے مجھے سرکاری طور پر رہائش گاہ سمر ہل میں دی گئی تھی۔ دفتر شملہ میں اور رہائش گاہ سمر ہل میں۔ یعنی میرا خاندان کالج اور قصر میں اور بورڈنگ سکول راولپنڈی میں۔ شملہ کانفرنس کے زمانے میں گاندھی جی جو کانگرس کے ایک اہم رہبر بھی تھے۔ سمر ہل میں راجکماری امرت کور کی کوٹھی میں قیام پذیر تھے۔ پنڈت نہرو، ڈاکٹر خان صاحب سردار پٹیل، مولانا آزاد اور دیگر کانگرسی لیڈر گاندھی جی سے آشیرباد لینے ان کی خدمت میں سمر ہل حاضر ہوتے تھے۔

گاندھی کی قیام گاہ میرے گھر کے بالکل قریب تھی میرے گھر کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی تھی، بلکہ افشاں کا ایک اجاڑ اور ویران ٹینس کورٹ تھا۔ وہ ٹینس کورٹ صاف ستھرا کر دیا گیا تھا۔ اس لیے نہیں کہ گاندھی جی کا اس ٹینس کورٹ میں کھلی عبادت کا پروگرام ہوتا تھا۔ ٹینس کورٹ میں ایک تخت پوش بچھا دیا جاتا تھا۔ اس پر گدا اور کھدر کی سفید چادر۔ گاندھی مقررہ وقت پر دو نرم و نازک خوبصورت سی نوجوان سیاکھیوں کے جلوں میں رونق افروز ہوتے۔ خود تخت پوش نشین اور باقی سب پجاری ٹینس کورٹ میں عقیدت کے ساتھ فرش نشین ہو جاتے۔ تمام ٹینس کورٹ گویا پوجا کی جگہ بن جاتی تھی۔ اس پر اگر کوئی جھوٹی سی بھی چھینک دی جائے تو سوچ پر تنہی ہوتی تھے سروں کو اس کی چوٹی ایسے بالوں کے سر پر جا کر لگ جائے اور جاہی بھی اس میں محفوظ ہے۔ یعنی آشیرباد ہوتا تھا۔ گاندھی اپنے تخت طاؤس پر آلتی پالتی مار کر آنکھیں بند کر کے گیان دھیان میں ڈوب جاتے تھے۔ تخت پوش پر ان کے دائیں اور بائیں طرف ایک ایک سیاکھی جلوہ افروز ہوتی تھی۔ پراتھنا کے بعد ان کو قیام گاہ پر واپس جانے کے لیے ان سیاکھیوں کی بیساکھیوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ وہ جوان لڑکیوں پر ہاتھ رکھ کر چلتے تھے۔ پراتھنا کا آغاز سورۃ فاتحہ کی تلاوت سے کرتے۔ اس کے بعد گیتا اور سنسکرت میں اشلوک پڑھتا تھا۔ گاندھی کی مجلس میں آنے جانے والے دوسرے لوگ اس کو بھی سورۃ فاتحہ کا درجہ سمجھتے۔

گرتے اور گاندھی جی شملہ کے لیے کر سمر ہل کے راستے سے بڑی تعداد میں آتے اور بڑی ریل گاڑی آتی تھیں۔ شملہ دفتر سے دو میل کے فاصلے پر رہتا تھا اس لیے دفتر کی شملہ سے بھی ہمیں حسرت پیدا کی تھی کہ ہم جھنگ اسٹیشن سے دو اسپیشل ٹرینیں اے ایچ کو شملہ آتے کر سمر ہل آدھ آدھ گھنٹے کے وقفے سے شملہ کے لیے روانہ ہوتی تھیں۔ اسی طرح دفتر بند ہونے پر اسپیشل ٹرینیں آدھ آدھ گھنٹے کے وقفے سے شملہ سے جھنگ براستہ سمر ہل چلتی تھیں۔ ہمیں دفتر کی طرف سے سمر ہل تا شملہ اپنا پاس ملے ہوئے تھے۔ اور ریل کا تمام خرچ آرمی ہیڈ کوارٹر برداشت کرتا تھا۔ کیا بات تھی اس دور کی۔ شام کے وقت شملہ سے پیشتر گھر یا ہوٹل اور دفتر سے صرف چار میل دور لینے والوں کے لیے ٹرین کی سہولت۔ بعض راولپنڈی میں روزانہ ٹیکسی ۴۰ میل آنے جانے والے شاف کو اپنی ذاتی بسوں میں دھکے کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ شملہ سے بھی لوگ پراتھنا کے لیے روزانہ آتے تھے شام کے علاوہ دیگر مسافر ان ٹرینوں میں سفر کر کے جاتے تھے۔ دونوں ٹرینیں اس طرح اوور لوڈ ہو جاتی تھیں کہ ہم حق داروں کو کبھی پہلی اور کبھی دوسری ٹرین میں گھر پہنچنے کا موقع ملتا تھا اور ہم شاف کے لوگ جن میں انگریز، فوجی افسر اور انگریز سارجنٹ وغیرہ بھی ہوتے تھے یہ اسپیشل تمام ٹرین میں کھڑے کھڑے کبھی ایک ٹانگ پر کبھی دوسری ٹانگ پر سمر ہل پہنچتے تھے۔ بعض اوقات ایک ٹانگ پر کھڑے کھڑے تھک جاتے تھے کہ دل چاہتا

تھا کہ آنکھیں بند کر کے لیٹ جاؤں کی نماز عطا کر دوسری ٹانگ بھی اٹھا دی جائے۔ جب تک گاندھی جی سمر ہل میں ٹھہرے رہے ہر شام ایک ٹانگ پر ٹرین میں کھڑے رہنا ہمارا معمول تھا۔ اور چار دو میل کا مختصر سفر در حقیقت سفر نورد سفر کا نقشہ پیش کرتا تھا۔

میں ہر روز ٹرین میں دیکھتا تھا کہ گاندھی جی کے پجاری اور پجارن کے ہاتھوں میں ایک بھرا ہوا بڑا لفافہ بادام کا ہوتا تھا اور اس میں کیا ہوتا یہ معلوم نہ تھا لیکن معلوم کرنے کی بڑی خواہش تھی کہ یہ لوگ ہر روز سمر ہل کیا لے کر جاتے ہیں اور وہ بھی یقیناً گاندھی جی کے لیے۔ ایک دن ہمت کر کے ایک لالہ جی سے جن کو دوتین بار پہلے بھی ٹرین میں دیکھا تھا چہرہ مانوس نظر آیا پوچھا لالہ جی ہر روز آپ اس لفافے میں کیا ہے۔ جو آپ ہر روز لے کر سمر ہل جاتے ہیں۔ لالہ جی نے نرمی سے جواب دیا۔ جی اس لفافے میں لیسٹر بادام اور گلقند ہے۔ میں نے حیرت سے کہا لیسٹر اور بادام۔ مگر گاندھی جی کے منہ میں ایک بھی دانت نہیں۔ سخت پستہ اور بادام کس طرح کھاتے ہیں گے۔ لالہ جی کہنے لگے مہاراج یہ مہاتما جی کے لیے نہیں ان کی لاڈلی بکری کے لیے ہے یہ سن کر میں صف خطاب یافتہ "مہاراج" خاموش ہو گیا اور سوچنے لگا یہ عقیدت ہے لاڈلی بکری سے اور ہم نام کے جنٹل مین کے کتے کے ساتھ کچھ سوچ بھی نہیں سکتے اور میں آج تک یہی سوچتا ہوں کہ پستہ بادام کھانے والی خوش قسمت بکری کا دودھ پینے والا انسان کو روزانہ سیر کر لے وہ ہے کا انسان نہ ہو گا تو اور کیا ہو گا۔ اس کا دم تھا کہ وہ دنیا والوں کی باتیں کرتیاں بالکل قریب سے ختم ہوں گی۔ اللہ جی کی گولی کے بعد تقریباً بارہ گھنٹے ایک انجام کر کے مسلسل بیٹ کر کے پھر ہمیشہ کے لیے گیان دھیان میں محو ہو کر خاموش ہو گئی۔

نماز

نماز کی پابندی کیجئے اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا پابند بنائیے

نماز تمام عبادتوں کی بنیاد، مومن کی معراج اور دین کا ستون ہے۔ نماز بری باتوں اور برے کاموں سے بچاتی ہے۔ آئیے، ہم اس نعمت بے بہا سے خود کو اور اپنے اہل و عیال کو فیضیاب کریں۔

خدمت کا جداگانہ انداز

HOUSE OF HALAL MEAT

803 Danforth Avenue

Toronto, Ontario

Please Call ISMAIL At 461 2839

پیغامبر
THE MESSENGER
SOHAIL AKHTAR
جہاں بینی میری فطرت ہے لیکن کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

پاکستان اور مسئلہ افغانستان

افغانستان میں روس کی جارحیت کے باعث یہ خطہ سنگین عدم استحکام کا شکار ہوا ہے۔ کیونکہ دونوں سپر پاورز امریکہ اور روس کے درمیان کشمکش اور کشیدگی کا نیا محاذ گرم ہو گیا ہے۔ امریکہ کو خلیج میں مغربی ممالک کے تیل کے مفادات خطرے میں نظر آتے ہیں۔ روس کی خواہش ہے کہ افغانستان سے اُن کی فوجوں کے انخلاء سے کابل میں کوئی ایسی حکومت برسرِ اقتدار نہ آ جائے جو روس کے مفادات کی مخالف یا اس کی حریف طاقتوں کی آلۂ کار ہو۔ جنیوا میں تیار ہونے والے مسودۂ مفاہمت کے سلسلے جن ضمانتوں کا ذکر سننے میں آ رہا ہے، اُن کا بیشتر تعلق روس کی اسی خواہش پر مبنی ہے۔

پاکستان اور امن پسند دنیا کی یہی خواہش ہے کہ افغانستان کا مسئلہ ان قراردادوں کے مطابق حل ہو جائے جو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے بھاری اکثریت سے منظور کی تھیں اور جن پر عمل درآمد کے سلسلے میں اقوام متحدہ ہی کے زیر اہتمام جنیوا میں بالواسطہ مذاکرات ہو رہے ہیں۔

افغانستان میں روس کی جارحیت سے ایک آزاد اور خود مختار ملک کو جس تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑا ہے پوری دنیا اس سے آشنا ہے اس کے کھیت کھلیان، دیہات، باغات اور قصبات اُجڑ چکے ہیں۔ ایک تہائی آبادی پاکستان، ایران اور دوسرے ملکوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو چکی ہے افغان مجاہدین نے بلاشبہ مزاحمت کی ایسی مثال پیش کی ہے جس کی نظیر مشکل سے مل سکے گی۔ روس کو بھی بھاری جانی اور مالی نقصان کا سامنا ہے۔ لیکن روس ایک سپر طاقت ہے۔ جو اپنے نقصان کو غیر معینہ مدت تک برداشت کر سکتا ہے۔ تاہم اگر اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق افغانستان کے مسئلے کا حل نکل آئے تو اس سے روس کی امن پسندی کا دعویٰ حقیقت میں ڈھل سکتا ہے۔ اسی طرح دنیا کے دوسرے حصوں میں خاص طور پر فلسطین، اریٹیریا اور کمبوچیا وغیرہ جہاں جنگ اور تباہی کا سلسلہ عرصے سے جاری ہے، امن قائم کرنے کے لئے اچھی مثال قائم ہو سکتی ہے۔

پاکستان ابتداء سے ہی مسئلہ افغانستان کے سیاسی حل پر زور دے رہا ہے کیونکہ جنگ و جدل سے مسائل حل ہونے کی بجائے مزید الجھ جاتے ہیں۔ اور جنگوں میں ہونے والے نقصانات کا کوئی ازالہ نہیں ہوتا۔ ہمیں یقین ہے کہ جنیوا مذاکرات کامیاب ہوں گے۔ جس سے پاکستان کے مؤقف کو تقویت ملے گی۔ کیونکہ پاکستانی مؤقف کو دنیا کے بیشتر ممالک کی تائید و حمایت حاصل ہے۔

بقیہ سچی باتیں

حریم عرش کا پایہ تھامنے والے رشک کر رہے ہیں! ممکن ہو کہ آج یہ شاعری معلوم ہو رہی ہو لیکن کل انشاء اللہ حقیقت ہو کر رہے گی اور ان بے خبروں کو بھی خبردار کر کے رہے گی جو آج روزہ کے طبی فوائد اور مادی لذتوں سے بھی محرومی میں اپنی زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں۔

سچی باتیں

(از مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم)

کھانا کھانے میں آپ کو لطف کس وقت آتا ہے۔ اُس وقت جبکہ بھوک کھل کر لگی ہو یعنی کچھ دیر پیشتر سے کھانا نہ کھایا ہو پانی کے گلاس میں مزہ کس وقت آتا ہے؟ اس وقت جبکہ پیاس لگی ہوا۔ پانی پینے کی طلب بے قرار کر رہی ہو۔ نیند سکھ سے کس وقت آتی ہے؟ اس وقت جبکہ کچھ گھنٹے قبل سے آپ برابر جاگ رہے ہوں۔ ان ساری مثالوں نے آپ کو روزمرہ ہر وقت اور ہر جگہ تجربہ کرا دیا ہے کہ مادی لذتوں سے بھی لطف اٹھانے کے لئے کسی قدر ضبط و صبر و احتیاط لازمی ہے۔ یہی آپ کا مشاہدہ ہے۔ یہی آپ کا تجربہ ہے۔ اور اسی پر آپ کا عمل ہے۔ یہ آپ کبھی نہ کرتے کہ مسلسل چوبیس گھنٹہ منہ میں نوالے جاتے رہیں۔ یہ کوئی بھی نہیں کرتا کہ ہر منٹ لگاتار پانی کے گھونٹ اتارتا رہے۔ یہ کسی کو بھی نہیں دیکھا کہ دن اور رات، صبح و شام ہر وقت برابر پڑا سوتا ہی رہے۔

"روشن خیالی" جب ایک قدم آگے بڑھاتی ہے تو تعطیل اور چھٹی کو بھی انسانی زندگی کا ایک لازمی جزو بنا دیتی ہے۔ اسکولوں کے کمرے، کالجوں کے ہال، عدالت، اعانت گاہ اور ان ہفتوں سے بند چلے آ رہے ہیں اس لئے کہ موسم گرما کی تعطیل کا زمانہ ہے۔ کچہریاں اور دفتر بند ہیں اس لئے کہ آج بڑا دن ہے۔ ڈاک خانہ، تار گھر، بینک اور خزانے بند ہیں اس لئے کہ آج اتوار ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ دماغ کو آرام مل جاتا ہے اور تازہ دم ہونے کے بعد کام بہتر طریقے سے انجام پاتا ہے۔ آپ اپنے اس نظام اور اس انتظام سے شرماتے نہیں۔ فخر کرتے ہیں اور آپ کی عقلیت و روشن خیالی کا ایک مسئلہ ہے کہ کام میں زیادہ مستعدی اور بہتر کارگزاری کے لئے جسم و دماغ کو آرام دینا لازمی ہے؟ یہ نہیں کہتے کہ اس سے کام میں خواہ مخواہ حرج اور نقصان ہوتا ہے۔

لیکن جب مذہب آپ سے کہتا ہے کہ سال کے ایک خاص مہینہ میں چند گھنٹوں کے لئے ایک محدود وقت کے لئے معدے کو آرام پہنچاؤ، بھوک اور پیاس کو ضبط کرتے رہو تو معاً آپ کی عقلیت و روشن خیالی بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہے؟ آپ اپنے روزمرہ کے تجربہ اور مشاہدہ، نظریات و عملیات سب کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ رمضان کی آمد کو اپنے لئے ایک قہر و مصیبت سمجھنے لگتے ہیں اگر زبان سے نہیں تو کم از کم دل میں تو یہ ضرور کہنے لگ جاتے ہیں کہ روزہ کی یہ قیدیں کیسی سخت ہیں اور آپ کے کمزور قویٰ ہرگز اتنی بڑی محنت کو نہیں برداشت کر سکتے۔ بے شک اگر آپ ہزاروں روپیہ کمانے اور اڑانے والے بیرسٹر ہیں۔ اگر آپ سرکار ابد قرار کے بنائے ہوئے جج یا کلکٹر ہیں، اگر آپ صوبہ یا ملک کی کونسل کے ممبر ہیں، اگر آپ کے پاس سواری کے لئے موٹریں اور رہنے کے لئے اونچی اونچی کوٹھیاں موجود ہیں تو آپ کی محرومی و حرماں نصیبی نے اجر روحانی و راحت سرمدی کی طرح روزمرہ کی مادی لذتوں اور جسمانی فائدوں کا بھی دروازہ آپ پر بند کر رکھا ہے اور آپ کی اس بے مائیگی پر چند دل شکستہ حوروں ملائک تک جتنا بھی ترس کھائیں کم ہے لیکن اگر آپ اپنی خوش نصیبی سے کوئی غریب کاشتکار ہیں کوئی مفلس مزدور ہیں، کوئی کم حیثیت خدمت گار ہیں۔ بھاری بھاری بوجھ کی گٹھڑیاں اور گٹھے اپنے سر پر لادنے والے ہیں۔ دھوپ میں جل جل کر اور جھلس جھلس کر کام کرنے والے ہیں تو انشاء اللہ آج اپنے خالق و مالک کے حکم کی تعمیل میں رمضان المبارک کے باران رحمت سے سیراب ہو کر رہیں گے یقین کیجئے کہ آج آپ کے مرتبہ پر زمین پر رہنے والے نہیں، آسمان پر اڑنے والے، بقائے قدس سانس لینے والے

کرنیں

شیریں —

- اس دنیا میں بعض رنگ اچانک یوں ملتے ہیں جیسے سرِراہ سونے کا سکہ مل جائے کچھ لوگ ایسے بھی ملتے ہیں جن سے گلے مل کر بھی شناسائی نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ آپ ہی آپ بن جاتے ہیں جیسے مقدر کی لکیروں سے آ نکلتے ہیں اور کچھ مدفون خزانوں جیسے رنگ بھی ہوتے ہیں جن کی کھوج میں دل کا دیا لے کر نکلنا پڑتا ہے تب کہیں وہ کسی گلی، کسی چوبارے، کسی دہلیز، کہیں خاک پر یا کہیں بام پر یا کسی دریچے میں سر کشیدہ نظر آتے ہیں۔

راحیلہ —

- موت غریب کے جھونپڑے اور امیر کے محل پر یکساں دستک دیا کرتی ہے۔ وہ چاہے کوئی بڈھا ہو، بچہ ہو جوان ہو یا عورت۔ سب پر آتی ہے۔ اک سنسے سفر سے ناکردہ وہ ملک ہے جہاں سے آج تک کوئی لوٹ کر نہیں آیا اور جسے کوئی مسافر مردوں کے لئے سیاحت نہیں کر پاتا۔
- اپنے کاموں کی بنیاد محبت اور آشتی پر رکھو کہ قہر و غضب پر۔

سلیم احمد —

- جتنے دن زندہ ہوا ہے فقط ... کچھ اور اس سے پہلے کہ لوگ تمہیں مردہ سمجھیں کچھ کر جاؤ۔
- عقلمند آدمی اس وقت تک خوش نہیں ہوتا جب تک خاموش نہیں ہو جاتا۔
- کسی امیر آدمی نے کسی بزرگ سے پوچھا کیا میں تمہیں کبھی یاد آتا ہوں؟ جواب ملا ہاں جب خدا کو بھول جاتا ہوں۔

ظفر محمود —

- جو شخص کسی نصب العین کو نظر رکھ کر کوشش کرتا ہے اس کی محنت بار آور ہوتی ہے۔
- مسرت تمام اعلیٰ خوبیوں کی ماں ہے۔
- فن کا اول اور آخری مقصد خوبصورتی ہے۔
- اس سے زیادہ قابل رحم غلام کون ہے جو اسے ... سمجھتا رہتے ہیں کہ وہ آزاد ہیں۔
- احسان فراموشی ... سب قسم کی کمزوریوں سے میں نے آج تک ... سچی اصلی قابلیت کے مالک کو نہیں دیکھا۔

مسرت ناز —

- امید زندگی کا لنگر ہے اس کا سہارا چھوڑ دینے سے انسانی کشتی غم کے پانی میں ڈوب جاتی ہے۔
- ہر شخص سچا دوست تلاش کرتا ہے لیکن خود سچا دوست بننے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔
- جو اپنے آپ کو پہچانے اس کو تم پہچان، یعنی جو اپنی قدر کرے تم بھی اس کی قدر کرو۔
- جدوجہد نہ کرنا ناکامی کا باعث ہے۔ اور ناکامی ذہن کو تنگ، عقل کو ضعیف اور مروت کو زائل کر دیتی ہے۔
- مصائب سے ستارے اپنے کو نکھر کر ستارے اندھیرے ہی میں چمکتے ہیں۔
- جو بات دشمن سے پوشیدہ رکھی جائے ہمارے دوست سے بھی پوشیدہ رکھو شاید وہ کسی وقت دشمن ہو جائے۔

خواتین — ترتیب: رفعت جاوید

پاکستان میں غیر ملکیوں کو مکمل آزادی حاصل ہے

پاکستان میں کینیڈا کے سفیر کی اہلیہ مادام لین وارڈن سے ملاقات

تحریر: مسز کوکب خواجہ

کینیڈا ایک زرخیز ملک ہے جس کی عمر پانچ سو سال سے بھی کم بنتی ہے اوائل میں فرانس اور انگلستان سے لوگ یہاں ہجرت کر کے آئے اور پھر بعد میں دنیا کے مختلف ممالک سے لوگ یہاں آ کر بسنے لگے یہی وجہ ہے کہ مختلف قوموں سے تشکیل پایا ہوا یہ ملک اپنے اندر قوس قزح کے سارے رنگ سمیٹے ہوئے ہے کینیڈا کی وسعت کا اندازہ اس کے چھوٹے سے نقشے پر نظر ڈالنے سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ سارے ملک کو ریل کے ذریعے عبور کرنے کے لئے پانچ دن اور راتیں درکار ہیں جبکہ بذریعہ ہوائی جہاز ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دس گھنٹے میں پہنچا جا سکتا ہے۔

کینیڈا دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے اس کا رقبہ ایک کروڑ مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے دنیا میں صرف روس کا ہی رقبہ اس سے زیادہ ہے مگر کسی ملک کی بڑائی کا پیمانہ اس کا رقبہ نہیں بلکہ صنعتی و تعلیمی ترقی ہی ہے اور کینیڈا ان خوش قسمت ترین ممالک میں سے ہے جس کا نام اس میدان میں بھی فہرست کے اوپری حصے پر آتا ہے کینیڈا سرسبزی کے لحاظ سے بھی سرفہرست ہے کینیڈا معدنیات کی دولت سے بھی مالا مال ہے یہاں ساٹھ سے زیادہ اقسام کی معدنیات ملتی ہیں جن میں لوہا، نکل، تانبا، جست، سونا، چاندی، سکا، یورینیم، پوٹاش وغیرہ بڑی مقدار میں ہیں قدرتی دولت سے مالا مال اس ملک کے سفیر مقیم اسلام آباد کی اہلیہ سے ملاقات کافی عرصے سے التواء میں پڑی تھی جب میں نے انٹرویو کے سلسلے میں بات کی تو وہ اگلے ہی روز کینیڈا جا رہی تھیں کچھ عرصے بعد جب ان کی واپسی ہوئی تو انہیں اپنا وعدہ بھی یاد تھا لہذا پہلی فرصت میں انہوں نے مجھے ملاقات کے لئے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی ان سے پہلے کبھی ملاقات کا اتفاق نہیں ہوا تھا خوش لباس اور اسمارٹ سی ان خاتون کا نام لین وارڈن ہے۔

مسز لین وارڈن کو پاکستان آئے چھبیس ماہ کا عرصہ ہوا ہے اس سے پہلے روس، کیوبا اور ہانگ کانگ میں بھی رہ چکی ہیں ان کے شوہر کی چوتھی بیرونی پوسٹنگ پاکستان کی ہے یہاں پر بہت خوش ہیں۔

سوال: مادام! آپ روس میں بھی رہی ہیں۔ پاکستان اور روس کے قیام کا کوئی نمایاں فرق بتایئے۔

جواب: ویسے تو کسی ملک کے بارے میں کوئی انتہا پسندانہ رائے نہیں دینی چاہیے کیونکہ ہر ملک کی اپنی اپنی روایات ہوتی ہیں ہم جس دور میں روس گئے تھے تب کے اور اب کے حالات میں خاصا فرق ہے۔ اس زمانے میں روسی عورتیں بہت ہی مختلف قسم کی زندگی گزارتی تھیں ان کا انداز نہ تو مشرقی تھا نہ ہی مغربی کچھ اپنا ہی انداز تھا بہرحال اب تو وہاں فیشن اور میک اپ کرنے لگی ہیں نمایاں فرق یہ بتا سکتی ہوں کہ پاکستان میں غیر ملکیوں کو بہت آزادی حاصل ہے ہم اپنی مرضی سے ہر جگہ آ جا سکتے ہیں ہر کسی سے مل سکتے ہیں ہم پر کوئی پابندی نہیں ہے ہم خود کو یہاں اسی طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح کوئی اپنے ملک میں آزادانہ گھوم سکے جبکہ کچھ ممالک میں ایسا نہیں ہوتا روس میں خاص طور پر دکانوں سے خریداری کرنا ہوتی تھی ڈپلومیٹ ہر جگہ نہیں آ جا سکتے تھے ہو سکتا ہے اب وہاں بھی یہ کیفیت نہ رہی ہو مگر اس وقت ایسا ہی تھا۔

سوال: آپ نے چھبیس ماہ کے عرصے میں کتنا پاکستان دیکھا ہے؟

جواب: ہم نے تقریباً سارے پاکستان کی سیاحت کی ہے کراچی، لاہور، پشاور، کوئٹہ، کاغان، سوات، ہنزہ اور کل صبح ہم مردان جا رہے ہیں ایک بار کراچی سے اسلام آباد بذریعہ کار آئے تھے راستے میں تمام چھوٹے بڑے شہر دیکھتے آئے بڑا پرلطف سفر تھا وہ بھی۔

سوال: آپ کے تعلیمی کوائف؟

جواب: میں نے بی اے کیا تھا پھر شادی ہو گئی۔

سوال: پاکستانی عورتوں کے بارے میں آپ کا کیا تاثر ہے؟ کیا وہ کوئی مفید کام بھی کرتی ہیں؟

جواب: پہلی بات جو ہر غیر ملکی آپ کے بارے محسوس کرتا ہے وہ یہ ہے کہ پاکستانی عورتوں میں نسوانیت بہت پائی جاتی ہے دوسرا آپ کا لباس انہیں مزید پرکشش بنا دیتا ہے یہاں کی عورتیں بہت مہمان نواز اور مخلص ہوتی ہیں بہت سی خواتین کچھ کام کرنا تو چاہتی ہیں مگر مواقع کم ہوتے ہیں ویسے بہت سی عورتیں اپنے صنف کی بہبود کے لئے کوشاں رہتی ہیں اپوا، بہبود جیسے ادارے خواتین کی مدد تو کرتے ہیں مگر میں سمجھتی ہوں کہ یہ بہت کم ہیں آپ کے ملک میں مزید ایسے اداروں کی ضرورت ہے اب دیکھیں نا بے شمار غریب عورتیں جو بہت اچھا دستکاری کا کام کرتی ہیں وہ نہیں جانتیں کہ اپنے کام کو کہاں اور کیسے فروخت کریں کہ اچھے دام لے سکیں لاعلمی کی وجہ سے وہ اپنے ہنر کو ارزاں فروخت کرنے پر مجبور ہوتی ہیں اگر ایسے ادارے تشکیل دیئے جائیں اور ان کی مناسب تشہیر بھی کی جائے تاکہ یہ غریب ہنرمند عورتیں اپنی چیزیں وہاں لا کر نمائش کر سکیں ہمارے ہاں بھی کچھ خواتین رفاہی تنظیمیں چلاتی تو ہیں مگر ہمارے ملک کو اس قسم کی تنظیموں کی ضرورت نہیں جتنی کہ پاکستان کو ہے۔

سوال: کینیڈا کی خواتین کے بارے ذرا تفصیل سے بتایئے؟

جواب: ہمارے ہاں خواتین کی زیادہ تعداد ملازمت کرتی ہے سوائے ایسی عورتوں کے جن کے بچے چھوٹے ہوں وہ گھر رہ کر بچوں کی پرورش کرتی ہیں اور جب وہ سکول جانے کے قابل ہو جاتے ہیں تو پھر خود بھی کام کرنے نکل آتی ہیں ہمارے ہاں اکثریت دیہاتوں سے شہروں میں منتقل ہو چکی ہے اس تبدیلی سے نہ صرف خاندانی نظام پر بلکہ خود عورت کی زندگی پر بھی بہت اثر ہوا ہے آج کی عورت کو وہ سب سہولتیں اور آزادی میسر ہے جس کی پرانے وقتوں کی عورت تصور بھی نہ کر سکتی تھی آج عورت اپنے فیصلے خود کرتی ہے شادی اور نوکری اپنی مرضی سے کرتی ہے آج لیبر فورس میں بے شمار عورتیں شامل ہو رہی ہیں عورتوں کی یہ تبدیلی مردوں پر بھی اثر انداز ہوئی ہے جب مرد کی طرح عورت بھی کمانے لگی تو مردوں نے گھر کے کاموں اور بچوں کی پرورش میں عورت کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا آج ہر گھر میں مرد و عورت دونوں ہی کام کرتے ہیں شہروں میں گھر چھوٹے ہونے کی وجہ سے اور معاشی حالات کی وجہ سے افراد خانہ کی تعداد بھی کم ہو گئی ہے ایک خاندان عموماً چار افراد پر مشتمل ہوتا ہے بزرگ جب اکیلے رہ جاتے ہیں تو وہ چھوٹے اپارٹمنٹس میں منتقل ہو جاتے ہیں ہم اپنے بزرگوں کو ساتھ نہیں رکھتے یہ ایک المیہ ہے ذاتی طور پر میں محسوس کرتی ہوں کہ بزرگوں کو ساتھ رکھنا چاہیے اولاد کو والدین کی خدمت کرنا چاہیے آخر انہوں نے ان کی خاطر تکالیف برداشت کی تھیں بات تو عورتوں کی ہو رہی تھی مختصراً یہ کہ ہماری عورتیں گھر میں رہ کر اپنی صلاحیتوں کو زنگ آلود نہیں کرتیں بلکہ ہر شعبہ زندگی میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں طب، سائنس، تجارت، نرسنگ، سیاست غرض ہر جگہ خواتین موجود ہیں شہروں میں خواتین میئر ہیں، پارلیمنٹ اور کیبنٹ میں بھی خواتین ممبران کی خاصی تعداد ہے۔

سوال: آپ کے ہاں بچے ایک خاص عمر کے بعد والدین سے علیحدہ ہو جاتے ہیں آپ کو کیسا لگتا ہے؟

جواب: ہمارے ہاں اسولہ سترہ برس کی عمر میں سکول کی تعلیم ختم کر کے بچے عموماً والدین سے الگ ہو جاتے ہیں ایک ماں کی حیثیت سے تو میں یہی کہوں گی کہ بچوں کی جدائی کسی بھی عمر میں اچھی نہیں لگتی بچے تو علیحدہ رہ کر خوش ہوتے ہوں گے مگر والدین کے لئے بڑی اذیت ہے مگر کیا کیا جائے معاشرہ ہی کچھ ایسا ہو گیا ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی یہ اذیت سہنی پڑتی ہے میری بیٹی تو ہمارے ساتھ یہاں پاکستان میں ہے وہ بہت خوش ہے میرے دو بیٹے کینیڈا میں یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں۔

سوال: کینیڈا کے اگر کوئی رسم و رواج ہیں تو بتایئے؟

جواب: کینیڈا بہت سی قوموں سے تشکیل پایا ہے اس کے اولین مہاجرین میں فرانسیسی اور برطانوی لوگ بڑی تعداد میں ہیں لہذا ان دو قوموں کا کلچر ملک میں نمایاں نظر آتا ہے اگر کسی بڑے شہر کی گلیوں سے آپ گزرتے ہوں تو آپ کے کانوں میں دنیا کے مختلف ملک کی بولیاں سنائی دیں گی یہی کیفیت دکانوں کے ناموں میں بھی دکھائی دے گی ہمارا ہر صوبہ دوسرے صوبے سے یکسر مختلف ہے ایک صوبے میں اگر فرانسیسی ثقافت اور زبان نمایاں ہے تو دوسرے میں برطانوی، ملک میں فرانسیسی اور انگریزی دونوں زبانیں بولی جاتی ہیں دونوں کو ہی سرکاری حیثیت حاصل ہے یورپ سے لوگ یہاں سترھویں صدی کے آغاز میں آنے شروع ہوئے تھے جبکہ فرانس کے ہم جولوں نے یہاں نیو فرانس قائم کر کے یہاں ڈیرہ جمانا شروع کیا فرانسیسی اور برطانوی لوگوں کی سات سالہ باہمی جنگ کے بعد اٹھارویں صدی میں نیو فرانس، برطانوی کالونی بن کر تاج برطانیہ کے ماتحت آ گیا اگرچہ یہاں کے لوگوں کی مذہبی اور قانونی آزادی بحال رکھی گئی پھر دنیا میں مختلف جنگوں کے نتائج میں بے شمار لوگ ہجرت کر کے یہاں آ گئے ان کی اکثریت انگلش بولنے والے لوگ تھے دوسری جنگ عظیم کے بعد بے شمار لوگ یورپ سے یہاں آ کر بس گئے اس وقت ہمارے ہاں ۴۵ فیصد لوگ برطانوی اور ۲۹ فیصد فرانسیسی نسل سے ہیں اس کے علاوہ چینی جاپانی اور دیگر اقوام بھی ہیں یہ مختلف اقوام ہمارے معاشرے کو اسی طرح خوبصورت بنا رہی ہیں جس طرح آپ کے ہاں ملتان کی پیشتینی کاری ہوتی ہے جس میں بے شمار چھوٹے چھوٹے شیشے جڑے ہوتے ہیں ہر شیشہ اپنی علیحدہ حیثیت رکھنے کے باوجود دوسرے شیشے سے مل کر ساری آرائش کو اس طرح مکمل کرتا ہے کہ وہ ایک خوبصورت تحریر بن جاتی ہے یہ مثال ہمارے ملک کی بھی ہے ہر نسل کے لوگ اپنی اپنی روایات کے مطابق اپنے رسم و رواج پورے کرتے ہیں مگر اس کے باوجود وہ سب کینیڈین کہلاتے ہیں۔

س: مادام آپ گرد شے مارننگ کلب کی صدر بھی ہیں آپ کے خیال میں اس کلب کی کیا افادیت ہے جبکہ اب یہاں سیکھنے سکھانے والی بات بھی نہیں رہی۔

ج: جیسا کہ آپ جانتی ہیں یہ کلب سات برس قبل ایک روسی سفیر کی اہلیہ نے خواتین کو کروشیا سکھانے کے لئے شروع کیا تھا اس وقت اس کے ممبران کی تعداد بھی سات ہی تھی ہر سوموار کو یہ سب ممبران کسی ایک کے گھر جمع ہو جاتیں کروشیے کا درس لیتیں اور ہر جانے والی اور لگ سیکھ کے بعد رخصت ہو جاتی آہستہ آہستہ ممبران کی تعداد بڑھتی گئی اور کروشیا سکھانا اب جبکہ ممبران کی تعداد سو کے قریب ہے ترک کر دیا بالکل غائب ہو چکا ہے پھر بھی افادیت کے لحاظ سے یہ کلب بے حد بہتر ہے ہر سوموار کو ہم سب ممبران کسی ایک کے ہاں جمع ہوتے ہیں میزبان خاتون اپنے ہاں کی کسی چیز سے متعارف کرواتی ہیں پچھلی بار شام کے سفیر کی اہلیہ کے ہاں تھی انہوں نے اپنے ملک کے ملبوسات اور کشیدہ کاری سے متعارف کروایا اس طرح ہم دوسرے ممالک کی ثقافت کے بارے جانتے ہیں اگر کوئی ممبر اپنی اشیاء کی نمائش یا فروخت کرنا چاہے تو ہماری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے۔

س: کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میزبان خاتون اپنے ملک کی خاص ڈش دوسری خواتین کو سکھا سکیں؟

ج: آپ کی تجویز تو بہت اچھی ہے مگر ایسا ممکن نہیں سو ڈیڑھ سو خواتین کس کچن میں سما سکتی ہیں؟ اگر تھوڑی سی خواتین ہوں تو ایسا ممکن ہے مگر اتنی بڑی تعداد کے ساتھ ممکن نہیں۔

س: پاکستان میں آپ کے خیال میں کتنی مہنگائی ہے؟ کیا آپ خریداری کرنے جاتی ہیں؟

ج: مہنگائی کی لپیٹ میں تو اس وقت ساری دنیا ہے پاکستان میں مجھے تو خاص مہنگائی محسوس نہیں ہوتی ہمیں روزمرہ کی خریداری کے لئے تو نہیں جانا پڑتا مگر جب کبھی بازار جاتی ہوں یا کچھ مہمان آتے ہیں تو ان کو لے کر راجہ بازار ضرور جاتی ہوں اگر ان لوگوں نے پہلے اس قسم کی جگہ نہ دیکھی ہو تو بہت لطف اندوز ہوتے ہیں مجھے خود بھی راجہ بازار جانا بہت پسند ہے۔

س: مادام! آپ کی ہابیز کیا ہیں کیا کوئی خاص شوق ہے؟

ج: نہیں کوئی کام ایسا نہیں کہ شوق کہہ سکوں ہاں میری ہابی تو مطالعہ ہے سیتی اور کڑھائی بھی کرتی ہوں ویسے بھی سب سے زیادہ مطالعہ پسند ہے اس سے ذہن کو سکون اور راحت ملتی ہے۔

اکبر کاظمی

غزل

کھول کر زیست کے اوراق پرانے سارے
جانے کیوں غور سے پڑھتا ہوں فسانے سارے

ڈھونڈھتا رہتا ہوں دھندلائی ہوئی آنکھوں میں
اپنے پتھرائے ہوئے خواب سہانے سارے

اب تو رونا بھی ہے دشوار تری فرقت میں
ایک اک کر کے ہوئے ختم بہانے سارے

جب ترا نام سر بزم کوئی لیتا ہے
مسکراتے ہیں مرے زخم پرانے سارے

آئینہ ٹوٹ کے بکھرا تو نظر سے گزرے
جو ترے ساتھ گزارے وہ زمانے سارے

موسم گل میں بھلا کیوں نہ ہمیں وحشت ہو
یہ تو آئے ترے انداز دکھانے سارے

کاظمی آگ لگی حرص و ہوس کی ایسی
جل گئے اہل محبت کے ٹھکانے سارے

دو غزلیں

پریم وار برٹنی

غزل

اس کی ہر سانس میں خوشبو ہے تمہاری شاید
ناچتی گاتی ہوا بھی ہے کنواری شاید
سوگ بھگوان کا دیکھا نہیں جاتا ہم سے
رو رہا ہے کسی مندر میں پجاری شاید
اپنا ارتھی سا بدن اس سے بچائے رکھیو
چاند نے پھولوں میں رکھ دی ہے کٹاری شاید
ہر گھڑی بوجھ سہی، بوجھ اٹھائیں کیسے؟
پنکھڑی پھول کی پتھر سے ہے بھاری شاید
تیسری آنکھ تو سورج کی نہیں ہم، لیکن
آپ کیسر کی ہیں بھیگی ہوئی کیاری شاید
میرے بچپن کو بلاتی ہے بڑھاپے کی طرف
دھول میں لپٹی ہوئی گاؤں کی لاری شاید
آنکھ میں عکس تھا جس کا کسی جوالا کی طرح
دل نے اس آگ کی تصویر اتاری شاید
پیار کی مانگ ترے رنگ سے بیوہ کی طرح
زندگی ہے کسی سیندور کی دھاری شاید
پریم آکاش کے ہاتھوں میں ہے کیوں رات کا رتھ
آج نکلے گی ستاروں کی سواری شاید

اگر میرا بس چلے تو ارسطو کی تمام کتابوں کو آگ لگا دوں۔ (راجر بیکن)

کوپن ہیگن سے ایک خط ـــــ فرانسس جوزف ڈین

ڈینش لڑکی بودل کے قبولِ اسلام کی داستان

٭ یہ کوپن ہیگن ہے، اس کے گلی کوچوں کا سیر بڑی دلچسپ ہو سکتی ہے لیکن آیئے ہم ذرا اس گلی میں چلتے ہیں جہاں ہمارے بزرگ دوست اور ڈنمارک کے سابق وزیراعظم انکر یورگنسن رہتے ہیں۔ یہ گلی بڑی آباد ہے یہیں ہمارے کچھ اور دوست بھی رہائش رکھتے ہیں۔ سابق وزیراعظم کے مکان سے دس قدم آگے ایک خوبصورت بنگلہ جو مغربی بھی ہے اور مشرقی بھی، سلیقے سے رہتا ہے اسے یوں سمجھئے کہ بیوی مغرب کی ہے شوہر پاکستان کے شہر راولپنڈی کا۔ ویسے تو راولپنڈی کے کچھ اور نوجوان اس گلی میں رہتے ہیں لیکن فی الوقت ہم اپنے دوست گل شفیق شیخ سے ملاقات کریں گے۔

گل شفیق جن کا تعلق پوٹھوہار سے ہے راولپنڈی کا ہے گریجویشن کرکے یہاں آئے ہیں یہاں آکر انہوں نے شادی کی۔ بیگم کا نام بودل راس موسن شیخ ہے۔ نیا سال کا پہلا ہفتہ ان دونوں کے لئے مبارک ثابت ہوا۔

پھر نگاہوں کا تبادلہ ہوا اور ہم دونوں مسکرا دیئے شفیق میرے پاس آکر کھڑے ہو گئے اور سوال کیا، میں آپ کو کیا پیش کروں ان کے ہاتھ میں جوس کا گلاس تھا وہ گلاس انہوں نے میری نظر کر دیا شفیق کی یہ ادا مجھے پسند آئی، وہ شراب بالکل نہیں پیتے ہم دونوں وہیں کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے، لیکن ہمیں اندازہ تھا کہ ہم پہلی ہی نظر میں ایک دوسرے کو دل دے چکے ہیں۔

بودل نے بتایا کہ اس رات دوسرے لڑکے لڑکیوں کی طرح ہم رقص کرتے اور رقص میں مست رہنے کے بجائے باتوں باتوں میں، میں نے شفیق سے پوچھا تمہارا مذہب کیا ہے، اس نے کہا اسلام میں تو پیدائشی مسلمان ہوں، اور اسلام کے بارے میں جاننے کا شوق مجھے پہلے سے تھا یہ سن کر میرا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا، اب ہماری ملاقاتوں

”مجھے پاکستان سے محبت ہے“

۲ جنوری کو شفیق شیخ نے جو اپنے بھائی کے ساتھ پہلے سویڈن اور پھر ۱۹۶۹ء میں ڈنمارک آ گئے، بودل راس موسن سے شادی کی، قبل ازیں مغرب کی اس بیٹی نے اسلام قبول کیا، چنانچہ یہ شادی اسلامی طریقے سے ہوئی، اور باقاعدہ عقد کی محفل آراستہ کی گئی۔ بودل جو اب مسز شیخ ہیں ڈنمارک کی ایک ۲۳ سالہ خوبصورت صاحبزادی ہیں، لطف یہ کہ شیخ کے ساتھ ملاقات سے پہلے وہ ایک بار پاکستان جا چکی ہیں اور اس ملک سے اور دین اسلام سے شناسائی کی سعادت انہیں پہلے ہی حاصل ہو گئی ہے یہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہیں۔

گل شفیق شیخ، جنہیں بے تکلفی سے شفیق کہوں گا، ۱۹۶۹ء سے میرے شناسا ہیں، ان سے پہلی ملاقات مغربی جرمنی کے شہر ہمبرگ میں ہوئی ہم دونوں ریلوے اسٹیشن پر ملے، شفیق ڈنمارک آنے کی تیاری کر رہے تھے رسمی تعارف کے ساتھ ہی ہمارے درمیان بے تکلفی پیدا ہو گئی وہ ڈنمارک آئے تو ہماری ملاقاتوں کا سلسلہ طویل اور مستقل ہو گیا یہاں تک کہ ہم دونوں سیلانیوں کی راتیں اکٹھی گزرنے لگیں، شفیق دراز قامت، خوبصورت جسم کے مالک اور گورے رنگ کے جوان ہیں، لیکن انہوں نے اپنے کردار کو بے داغ رکھا اور دائمی حجاب اور احترام کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ انہوں نے کبھی کسی لڑکی کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ البتہ پچھلے سال ایک بکی دعوت میں بودل کو دیکھ کر وہ دل دے بیٹھے محبت کی آگ اُدھر بھی بھڑک اٹھی، پھر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ نئے سال کی آمد پر دونوں کی شادی ہو گئی۔

محبت کی یہ کہانی دو سال پہلے سے شروع ہوتی ہے یہ پچھلے ہی برس کا ذکر ہے اس شام ایک پارٹی میں کوئی چھ سو لڑکے اور لڑکیاں شریک تھے ان میں ہمارے دوست شفیق بھی موجود تھے بودل نے بعد میں بتایا کہ جیسے ہی میں ہال میں داخل ہوئی میری نظریں اس دُبلے پتلے خوبصورت اور دراز قد نوجوان پر پڑیں، مزے کی بات یہ ہے کہ وہ خوبصورت نوجوان خدا جانے کیوں اپنی نظریں دروازے پر جمائے کھڑا تھا میں نے سوچا کہ وہ اس ہجوم میں بھی اکیلا ہے اور اجنبیت میں مبتلا ہے پھر ہم دونوں کی آنکھیں ملیں پھر ہم چور نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے

کا سلسلہ شروع ہو گیا ایک طرف ہماری محبت بڑھ رہی تھی دوسری طرف اسلام کے بارے میں بہت کچھ جاننے کا اور سمجھنے کا جذبہ میرے دل میں پروان چڑھ رہا تھا سال بھر تک میں شفیق سے ملتی اور ان سے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہی، بالآخر ایک دن میرے دل نے قبول کر لیا کہ اب تم کلمہ پڑھو اور ایک مسلمان خاتون کی طرح زندگی بسر کرو۔ پھر میرے دل نے گواہی دی کہ مسلمان بن کر رہنے کے لئے مجھے کسی مسلمان مرد سے شادی کرنی ہوگی اور شفیق سے بہتر دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا، ۸ جنوری ۱۹۸۳ء کو میں نے کوپن ہیگن کے اسلامی مرکز میں اسلام قبول کیا اور اسی روز اسلامی طریقے سے ہماری شادی ہو گئی۔

ہر بیوی اپنے شوہر سے خیر خواہی اور محبت کی توقع رکھتی ہے

مسز شفیق نے کہا اسلام کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے میں شفیق سے اردو سیکھ رہی ہوں اس طرح میں اردو کی دینی کتابیں بآسانی پڑھ سکوں گی۔ اس ملاقات میں جو شفیق کے گھر پر ہوئی، میں نے ان کی مغرب نژاد بیگم سے بہت سارے سوال کئے میرے سوال اور ان کے جواب ذیل میں ملاحظہ کیجئے!

سوال:۔ کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گی کہ اسلام اور پاکستان سے آپکی دلچسپی کی ابتداء کیسے ہوئی۔

جواب:۔ میں کوپن ہیگن میں پی آئی اے کی ملازم تھی، اس کمپنی میں جو خواتین کے لئے خاص طرح کی یونیفارم اور لباس مقرر ہے جسے حاصل کرنے کے لئے مجھے ایک بار کراچی جانے کا موقع ملا یہ ۱۹۸۰ء کا ذکر ہے میں وہاں مڈوے ہاؤس میں ٹھہری اور ایک ہفتے کے قیام میں شہر کو خوب گھوم پھر کر دیکھا کلفٹن، بوہری بازار، ہل پارک سبھی جگہیں دیکھیں مجھے پاکستان کی خوبصورت مساجد دیکھنے کا بھی موقع ملا، یہیں سے میرے دل میں اس ملک کے لئے اور اسلام کے لئے محبت کی قندیل روشن ہوئی، بعد

میں میں نے وہ ملازمت چھوڑ دی کیونکہ مجھے تنخواہ میں کمی کی شکایت تھی کم از کم مجھے وہ تنخواہ نہیں مل رہی تھی جو دوسری یورپین لڑکیوں کو ملتی تھی خیر وہ ایک الگ کہانی ہے۔

سوال:۔ بودل میرا مطلب ہے مسز شفیق اب آپ اپنی ابتدائی زندگی کے بارے میں کچھ بتایئے

جواب:۔ میں کوپن ہیگن کے ایک مسیحی گھرانے میں پیدا ہوئی، اپنے والدین کی اکلوتی ہوں ہمارا ایک متوسط حیثیت کا خاندان ہے، میرے والدین نہ بہت امیر تھے، نہ بالکل غریب، اکلوتی ہونے کی بنا پر میں اپنے والدین کی چہیتی تھی اور وہ میری ہر خواہش پوری کرتے تھے، والد اور والدہ دونوں کے ساتھ میرے تعلقات بہت اچھے رہے،

سوال:۔ جب آپ گھر واپس ہوئیں اور اپنے والدین کو بتایا کہ میری ملاقات ایک پاکستانی سے ہوئی ہے اور میں اسے اپنا دل دے بیٹھی ہوں، تب اس خبر پر آپ کے والدین کا رد عمل کیا تھا؟

جواب:۔ فرانسس تم جانتے ہو کہ والدین چاہے ڈینش ہوں یا پاکستانی، یورپی یا چینی ان کی خواہش ہمیشہ یہی ہوتی ہے کہ ان کا بیٹے اپنے مذہب، قوم اور رنگ کے لوگوں میں شادی کرے خیر، جب میں نے شفیق کے بارے میں اپنے والدین کو خبر دی تو انہوں نے کرید کرید کر پوچھنا شروع کیا کہ وہ کون ہے کس ملک کا ہے کیا کرتا ہے، اس کا مذہب کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ اور جب میں نے انہیں ساری باتیں بتائیں تو انہوں نے کسی منفی رد عمل کا اظہار نہیں کیا البتہ یہ صرف اس وقت تک تھا جب تک والدین نے شفیق

میں اردو سیکھ رہی ہوں تاکہ دینی کتب کا مطالعہ کر سکوں

سے گفتگو نہیں کر لی۔

سوال:۔ تو آپ نے شفیق کی ملاقات اپنے والدین سے کس مرحلے پر کرائی!

جواب:۔ والدین کے ساتھ شفیق کی پہلی یعنی ہماری ملاقات کرانے میں مجھے پانچ مہینے لگ

وہ بودل سے بیگم گل شفیق شیخ کیسے بنیں؟

گئے۔ اس کا سبب اور جو مجبوریاں ہو سکتی ہیں وہ تم جانتے ہو۔

سوال:۔ اب تمہارے والدین کا رویہ کیا ہے؟

جواب:۔ وہ شفیق سے بہت خوش ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شفیق نے ڈینش زبان پر عبور حاصل کر لیا ہے۔ اس طرح آپس کے تعلقات اور جذبات کو سمجھنے میں کوئی غلطی، کسی طرح کی بدگمانی نہیں ہوتی۔

سوال:۔ کیا آپ مکس میرج MIX MARRIAGE پر یقین رکھتی ہیں؟

جواب:۔ جی ہاں کیوں نہیں رنگ اور مذہب کسی کا اجارہ، کسی کی میراث نہیں ہوتی، یہ حق ہر شخص کو حاصل ہے، کہ جس رنگ اور جس مذہب کے فرد سے چاہے شادی کرے اصل چیز انسان کا کردار اور اس کی خوبیاں ہیں۔

سوال:۔ عام طور پر ایشیائی یا پاکستانی ہندوستانی اور بنگلہ دیشی لڑکوں کی مانند میں یورپی بیویاں کبھی خاوند کی وفادار اور خدمت گزار نہیں ہوتیں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب:۔ جو لوگ اس قسم کی باتیں بناتے ہیں انہیں یورپی بیوی کی محبت کا کوئی تجربہ یا صحیح مشاہدہ نہیں، اور انہیں جنہیں کوئی تلخ تجربہ ہے شاید وہ اپنی غلطیاں نہ بھولے ہوں، دراصل بیوی مسلمان ہو یا مسیحی صرف بچے پیدا کرنے کی مشین نہیں ہوتی وہ محبت کرتی ہے اور شوہر سے بھی اس کی محبت اور وفاداری کی امید رکھتی ہے وہ انسان ہونے کے ناطے ہمدردی اور خیر خواہی کی توقع بھی کرتی ہے لیکن افسوس کہ بعض نوجوانوں نے محبت کا نام تو سن رکھا ہے، محبت کرنا نہیں جانتے وہ اپنی یورپی بیوی سے کسی بات پر سمجھوتہ نہیں کر پاتے یہی وجہ ہے کہ ایسے ایشیائی شوہروں کی یورپی بیویاں

سے زیادہ دن نہیں بن پاتیں، اور شادی ناکام ہو جاتی ہے۔

سوال:۔ آپ نے بھی تو ایک ایشیائی سے شادی کی ہے اور اس سے پہلے ایک سال تک اچھی طرح سوچا ہے، اسٹڈی کیا ہے کیونکہ دلوں کا حال تو خداوند تعالیٰ ہی جانتا ہے، اور کل کیا ہوگا اس کے سوا کسی کو معلوم نہیں لیکن آج ہم دونوں خوش ہیں، میں نے محبت کی خاطر سب کچھ چھوڑ دیا کیونکہ مجھے یقین ہے کہ شفیق بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتا ہے جتنی میں اس سے کرتی ہوں۔

سوال:۔ بودل تمہیں پاکستانی لباس بھی پسند ہے؟

جواب:۔ جی ہاں میں گھر میں بھی پہنتی ہوں یہ بڑا خوبصورت ہوتا ہے لیکن میں مقامی ڈینش ہوں اس لئے ملازمت پر یا بازار جاتے ہوئے میں مقامی لباس کو جو پہننے میں آسان ہے ترجیح دوں گی اکتوبر میں میرا ارادہ پاکستان جانے کا ہے کیونکہ میں اپنے سسرال جاؤں گی وہاں میں پاکستانی لباس شلوار اور قمیص کرتا پہنا کروں گی، کیونکہ اس لباس میں خوبصورت عورت اور زیادہ خوبصورت نظر آتی ہے۔

سوال:۔ اچھا بودل یہ بتاؤ تمہارے گھر میں کھانا کون پکاتا ہے اور کیسا پکاتا ہے اور کیا تمہیں پاکستان کے کھانے پسند ہیں؟

جواب:۔ گھر میں ہم ڈینش کھانے کم ہی کھاتے ہیں، ہمارے گھر میں پاکستان کے کھانے پکتے ہیں، یعنی سبزی، گوشت، دالیں وغیرہ یہ کھانے شفیق پکاتے ہیں، البتہ میں ان کی مدد ضرور کرتی ہوں اور پکاتے ہوئے قریب سے دیکھتی رہتی ہوں کیونکہ میں ابھی سیکھ رہی ہوں، میں ایسے کئی کھانے پکا لیتی ہوں لیکن وہ اتنے مزے کے نہیں ہوتے جتنا مزیدار کھانا شفیق پکاتا ہے بریانی اور کباب بھی ہم شوق سے پکاتے اور کھاتے ہیں ایسے کھانے تیار کرنے میں شفیق کا جواب نہیں میرا خاوند بہت پیارا ہے وہ صرف کھانا پکاتا ہے، بلکہ محبت سے سرو بھی کرتا ہے، چپاتی اور پراٹھے بھی ہمارے گھر میں پکتے ہیں، پاکستانی کھانا پہلے گرم اور تیز لگتا تھا اب میں رفتہ رفتہ اس کے چٹخارے کی عادی ہو گئی ہوں۔

ہماری بات چیت کے دوران شفیق صاحب غائب تھے ذرا دیر میں دیکھا تو گرم گرم کباب تل کر لئے چلے آ رہے ہیں، کبابوں کے ساتھ گھر کی بنی ہوئی چٹنی بھی تھی کباب اور چٹنی دونوں کی مہک میرے لئے ناقابل برداشت ہو رہی تھی لیکن مسز شفیق بودل مزے لے کر کباب کھا رہی تھیں میری اس سے یہ خلوص ملاقات کوئی تین گھنٹے جاری رہی،

(بشکریہ اخبار خواتین)

دو دیوانے

دماغی ہسپتال میں ایک مریض کا دعویٰ تھا کہ وہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہے۔ اس کے ذہن سے یہ بات نکالنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ اس اثنا میں ایک نیا مریض داخل ہوا اور اس نے بھی اپنا نام لارڈ ماؤنٹ بیٹن بتایا۔

اس کی آمد پر ہسپتال کے ماہرین سر جوڑ کر بیٹھے اور یہ طے کیا کہ دونوں لارڈ ماؤنٹ بیٹنوں کو یکجا کر کے ایک دوسرے کا رد عمل دیکھا جائے۔ ممکن ہے تھوڑے سے لڑائی جھگڑے کے بعد دونوں اپنے دعوے سے باز آ جائیں چنانچہ دونوں مریضوں کا تعارف کرا کے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ اگلے روز پہلے مریض نے کہا ”ڈاکٹر میں شدید غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا۔ شکر ہے کہ اب یہ غلط فہمی دور ہو گئی ہے۔ میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نہیں لیڈی ماؤنٹ بیٹن ہوں۔“

خدا کی قسم اگر مجھے مصر کا تخت و تاج بھی پیش کیا جائے تو بھی میں مصر نہیں جاؤں گا، میں ان مصائب کو کیسے بھول جاؤں جو میں نے اسکندریہ میں جھیلے۔ (سلطان صلاح الدین ایوبی)

طنز و مزاح

احوال چند پرندوں کا

ابن انشا

طوطا

طوطا بڑا خوبصورت جانور ہے۔ بعض طوطوں میں انسان کی بعض خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں مثلاً آنکھیں پھیر لینا خصوصاً مطلب نکل جانے کے بعد۔ طوطے آپس میں ایسے طوطے کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کیسا انسان چشم واقع ہوا ہے۔

طوطا بہت فصیح البیان جانور ہے۔ لیکن اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا جو کچھ اس کا مالک یا چوگا دینے والا سکھاتا ہے، وہی یہ کہتا ہے۔ چاہے بڑ بڑ۔ آج کل ہمارے ہاں بھی طوطوں کی بھرمار ہے۔ طرح طرح کی بولیاں سننے میں آ رہی ہیں۔ کبھی کان دھر کر سنو کیا کہتے ہیں اور اس سے ان کے سکھانے پڑھانے اور چوگا دینے والوں کا سراغ لگانے کی کوشش کرو۔

طوطے کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ جنگلی طوطے جو جنگل میں رہتے ہیں۔ پالتو طوطے جو پنجروں میں رہتے ہیں۔ فالتو طوطے جنہیں جنگل میسر ہے نہ پنجرہ۔ آئے دن ان کی دلنیت کا سوال اٹھتا ہے اور آخری قسم ہے، ہاتھوں کے طوطے ان کے متعلق ابھی تک یہی معلوم ہو سکا ہے کہ اڑ جایا کرتے ہیں۔

الو طا فال کا لفافہ لاتا ہے "قسمت کا حال بتاتا" ہے۔ کبھی کبھی توپ بھی چلاتا ہے۔ ایسے طوطوں کی تصویریں اکثر دو بیوار ہوں کے کالم میں چھپتی ہیں۔

کبوتر

کبوتر بڑے کام کا جانور ہے۔ یہ آبادیوں میں جنگلوں میں، اسرویی اسمعیل میرٹھی کی کتابوں میں غرضیکہ ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ کبوتر کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ نیلے کبوتر، سفید کبوتر۔ نیلے کبوتر کی بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ نیلے رنگ کا ہوتا ہے۔ سفید کبوتر بالعموم سفید ہی ہوتا ہے۔

کبوتروں نے تاریخ میں بھی بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ شہزادہ سلیم نے مسماۃ مہرالنساء کو جب کہ وہ ابھی بے بی نور جہاں تھیں کبوتر ہی تو پکڑایا تھا۔ جو اس نے اڑا دیا اور پھر ہندوستان کی ملکہ بن گئی۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اس سارے قصے میں زیادہ فائدے میں کون رہا؟ شہزادہ سلیم؟ نور جہاں؟ یا وہ کبوتر؟ رعایا کا فائدہ ان دنوں بھی معرض بحث میں نہ آتا تھا۔

پرانے زمانے کے لوگ عاشقانہ خط و کتابت کے لئے کبوتر ہی استعمال کرتے تھے۔ اس میں بڑی مصلحتیں تھیں۔ بعد میں آدمیوں کو قاصد بنا کر بھیجنے کا رواج ہوا تو بعض اوقات یہ نتیجہ نکلا کہ مکتوب الیہ یعنی محبوب قاصد ہی سے شادی کر کے بقیہ عمر ہنسی خوشی بسر کر دیتا تھا۔ چند سال ہوئے ہمارے ملک کی حزب مخالف نے ایک صاحب کو الٹی میٹم دے کر مالک ملک کے پاس بھیجا۔ الٹی میٹم تو رستے میں کہیں رہ گیا۔ دوسرے روز ان صاحب کے وزیر بننے کی خبر اخباروں میں آ گئی۔ کسی طوطے کے ہاتھ پیغام بھیجا جاتا تو یہ صورت حال پیش نہ آتی۔

کوا

کوّے ہیں سب دیکھے بھالے چونچ بھی کالی پر بھی کالے۔ یہ کالے ملکوں میں ہوتے ہیں۔ سوائے جنوبی افریقہ اور امریکہ کی جنوبی ریاستوں کے۔ وہاں سفید کووں کو پسند کیا جاتا ہے اور سفید کوے اتفاق سے ہوتے ہی نہیں۔

کوا حلال بھی ہوتا ہے لیکن صرف آدھا یعنی کاگ میں۔ سنا ہے کراچی میں ریستورانوں میں کوؤں کا سوپ ملتا ہے۔ لوگ بڑے شوق سے پیتے ہیں۔ اپنے رنگ کی رعایت سے یہ بلیک مارکیٹ کے دام پاتا ہے۔ عرف عام میں یہ سوپ مرغی کا کہلاتا ہے۔

بٹیر

یہ ایک جانور ہے جو کھانے میں بہت لذیذ ہوتا ہے۔ اندھے کے ہاتھ ویسے بھی آ جاتا ہے۔ آنکھوں والے کے لئے اس کا بغیر جال کے پکڑنا مشکل ہے۔

پہلے زمانے کے بٹیر بڑے با کمال ہوتے تھے۔ حسن نامی ایک بٹیر لکھنؤ کے ایک نواب صاحب کے پاس تھا۔ نماز بھی پڑھتا تھا۔ یو حق بھی کرتا تھا۔ تیر اندازی بھی جانتا تھا۔ یقیناً گھڑسواری کا بھی ماہر ہوگا۔ افیم بھی کھاتا تھا۔ ان سارے کمالات کے باوجود اسے ایک روز بلی لے گئی۔ چالیسویں صفِ ماتم بچھی رہی۔

تیتر

یہ جانور خالص بہت کم ملتا ہے۔ عام طور پر جو جانور ملتا ہے وہ آدھا تیتر آدھا بٹیر ہوتا ہے۔ تیتر بڑا ہوشیار پرندہ ہے۔ ایک بار ایک مولوی صاحب، ایک کنجڑا اور ایک پہلوان کہیں جا رہے تھے۔ یہ اس قسم کی ان مل بے جوڑ بات حکایات ہی میں ممکن ہے۔ خیر ایک جگہ تیتر بولا۔ مولوی صاحب نے کہا دیکھو کتنا اچھا بولتا ہے کہتا ہے "سبحان تیری قدرت"۔ کنجڑے نے کہا جی نہیں۔ کہہ رہا ہے "لہسن پیاز ادرک"۔ پہلوان نے ڈنڈ پیل کر کہا۔ ارشاد پیر ایسے گی نہیں۔ یہ کہہ رہا ہے کہ کھا کر کسرت کر۔ اس پر بحث ہوئی۔ بحث سے تکرار ہوئی۔ تکرار سے لڑائی ہو گئی تیتر کا کچھ نہیں بگڑا۔

صرف ایک شاعر ہمارے زمانے میں تھا۔ ایک شخص نے اسے چھوٹا سا تیتر بھیجا۔ اس نے دیکھ کر غصہ میں گھونٹنا شروع کر دیا کہ بے جرم ضعیفی کی سزا مرگ۔

مناجات ہم ہوتے تو فوراً چٹ کر جاتے یا کہتے کہ ایک پلیٹ اور لاؤ۔ حضرتی ویسے بھی گوشت نہ کھاتا تھا شاید اس زمانے میں بھی وہ روپے سیر ملتا ہو گا۔ گوشت نہ کھانے والا ہر شاعر حضرتی نہیں ہوتا۔ بعض مہنگا ہونے کی وجہ سے نہیں کھاتے۔

بیا

بیے کو زیادہ تر لوگ اس کے گھونسلے کی وجہ سے جانتے ہیں۔ یہ لمبوترا سا ہوتا ہے۔ اس کے اندر وہ رہتا ہے اور انڈے دیتا ہے۔ اس گھونسلے کی تعمیر کو اب تک بڑا کمال گنا جاتا تھا۔ آج کل تو ہمارے ہاں کی عورتیں بنا لیتی ہیں لیکن وہ اس کے اندر رہتی ہیں نہ اس میں انڈے دیتی ہیں۔ بس الٹا کر کے سر پہ رکھ لیتی ہیں۔

پدی

یہ بھی ایک جانور ہوتا ہے جس کا شوربا مشہور ہے۔ اس کا شوربا تھوڑا ہوتا ہے لیکن ہر شاعر و بے علاوہ سرسری کے لئے بہرحال کافی ہے۔

الو

زبان پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا کہ الو ہمارے معاشرے میں بہت مقبول ہے۔ آپ نے دن رات سنا ہوگا کہ فلاں نے فلاں کو الو بنایا۔ یا فلاں شخص الو بن گیا۔ کبھی یہ نہیں سنا گیا کہ کسی نے کسی کو کبوتر بنایا یا طوطا بنایا ہو۔

الو کو لوگ ناحق منحوس خیال کرتے ہیں اس لئے کہ درخت کی ٹہنی پر کسی کھوہ میں آنکھیں بند کئے بیٹھا رہتا ہے کوئی چھوٹا موٹا جانور قریب آئے تو منہ کھول کر اسے ہڑپ کر لیتا ہے۔ آنکھیں ایسی ہی بند رہتی ہیں۔ ہمارے ہاں بھی کوئی شخص دنیا کے مسائل سے آنکھ بند کئے بیٹھا رہے اور اپنے خورد و نوش سے غافل نہ ہو تو بڑی عزت پاتا ہے۔ بڑا پہنچا ہوا کہلاتا ہے۔

ہمارے ہاں الو بے وقوفی کے معنوں میں آتا ہے۔ جبکہ مغربی ادب میں یہ حکمت و دانش کی مثال ہے۔ ہم اس باب میں اپنی رائے محفوظ رکھتے ہیں۔ اتنا جانتے ہیں کہ بظاہر اور دانشمند اور دانشور لوگ اکثر بھوکے مرتے دیکھے گئے ہیں۔ کوئی الو کبھی بھوکا نہیں مرتا۔

بگلا

دیکھو کتنا بھلا جانور ہے۔ جوہڑ کے کنارے ایک ٹانگ پر کھڑا ہے عبادت میں مگن۔ نیکی میں غرق۔ لفظ "خ" زہد جیسے برس رہا ہے بلکہ کچھ کچھ آس پاس بھی گر رہا ہے۔ ہندو اسے بھگت کہتے ہیں۔ بہت سے مسلمان بھی عقیدت جتاتے ہیں۔ مچھلیوں اور مینڈکوں کی اس کے متعلق البتہ یہ رائے نہیں ہے زیادہ واسطہ بھی اس سے انہی کو پڑتا ہے۔

پہلے زمانے میں بگلوں کی کوئی تنظیم نہ ہوتی تھی اپنی اپنی جگہ کھڑے شکار مارا کرتے تھے اب ان کی باقاعدہ جماعتیں ہیں۔ تنظیم بڑی اچھی ہے۔ یہ ہماری ذاتی رائے ہے۔ مینڈکوں اور مچھلیوں کا اس سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

بگلا سفید ہوتا ہے کم از کم باہر کی طرف سے۔ کھرے سے بھی تشبیہہ دیتے ہیں کھرے سیدھی، یہ با تیر سی بگلوں کا کسی نہ کسی صورت میں الٹ سے تعلق ضرور ہوتا ہے۔

بگلا پکڑنے کا طریقہ بہت آسان ہے دبے پاؤں پیچھے جا کر اس کی آنکھ میں موم ٹپکا دو جب اندھا ہو جائے تو پکڑ لو۔ یہ کہا جائے گا کہ آج کل یہ طریقہ بگلے پکڑنے کے لئے کم اور ایک اور مقصد حکومت کے لئے زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

(۱) بٹیر پکڑنا اندھے کے ہاتھ کیوں آتی ہے۔

(۲) خاندان مغلیہ کی تاریخ میں کبوتر کی اہمیت پر جواب مضمون لکھو۔ کاغذ کے صرف ایک طرف لکھو تینوں طرف نہیں۔

(۳) تم کبھی گنبد پر اسباب پر بیٹھے ہو اور خوب بجائی ہے؟

(۴) الوؤں کی طرح ہماری صورت دیکھو۔ جواب دو

نرس

ایک صاحب لمبے لمبے ڈگ بھرتے فٹ پاتھ پر جا رہے تھے۔ ایک لڑکی کو دیکھ کر رک گئے اور بولے میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔

لڑکی نے جواب دیا ضرور دیکھا ہوگا۔ میں پاگل خانے کی نرس ہوں۔

حساب فہمی

مس جینکس ایک دیہاتی عورت کو حساب کتاب سکھا رہی تھی۔ "دیکھو" اگر تمہارے پاس دس روپے ہوں اور تم اپنے شوہر سے دس روپے اور مانگو تو تمہارے پاس کل کتنے روپے ہو جائیں گے؟

دیہاتی عورت نے کہا "پانچ روپے"

نہیں بھئی، خوب سوچ سمجھ کر بتاؤ۔ دیہاتی عورت نے دیر تک سوچنے کے بعد ہنس کر کہا۔ "کچھ بھی نہیں!"

اُف مس جینکس نے اپنا سر پیٹ لیا۔ تم تو حساب بالکل ہی نہیں جانتیں۔

دیہاتی عورت بولی۔ مس صاحبہ آپ میرے شوہر کو نہیں جانتیں۔

دو دل

ڈاکٹر: کہئے جناب! دل کے آپریشن کے بعد اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟

مریض صاحب: کچھ یوں لگتا ہے ڈاکٹر صاحب جیسے میرے سینے میں ایک کے بجائے دو دل دھڑک رہے ہوں۔ اوہو! اب پتہ چلا، میں بھی پریشان ہو رہا تھا کہ اپنی ریسٹ واچ کہاں رکھ کے بھول گیا ہوں۔

مرسلہ: محمود بعنت صدیقہ

دامن سلامت رکھنے کے لئے پولیس والوں سے دوستی ضروری ہے

اچھا حاکم وہ ہے جو "صرف" حکم دے

عزت نفس سے روزی کمانے والوں کو بیوی تک اچھا نہیں سمجھتی

جمیل صدیقی

گھوڑے سے اور افسر کی اگاڑی سے پچھاڑی اور پولیس والے کی دوستی اور دشمنی سے بچ کر رہنے کا مشورہ ہم نے جوہر کی کسی کتاب میں دیکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی میدان کے شہسواروں کے مقابلے میں ہم نہ کوئی ترقی پا سکے اور نہ کبھی زیادتی کی حاضری کے لئے تھانہ جانے کا سبب ہم بنے گئے یا اپنے افکار رفتہ رفتہ بچپن کی ترقی یافتہ افراد کی دوڑ میں سب سے پیچھے رہ گئے۔ دراصل زندگی کا کوئی بدلتے ہوئے حالات کا اندازہ نہیں۔ یہ مشورہ یا نصیحت اس گزری ہوئی کل کے تجربات کی دین ہے جو بدلتے ہوئے حالات میں ہے اثر ہو چکا ہے۔ جانچ اس بات کی بڑی ضرورت ہے کہ پرانے نسخوں پر آنکھیں بند کر کے عمل نہ کیا جائے اور حالات کا احساس کئے بغیر بھٹکنا نہ جائے۔ انجمن ترقی اردو پر بھی لازم ہے کہ وہ ایسے تمام اقوال و ضرب الامثال اور محاورات کی جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کا بیڑہ اٹھائے تاکہ کسی قسم کا کنفیوژن پیدا نہ ہو۔

آج سے صدیوں پہلے ہم کو آج نہیں کا قول کسی دانا نے کہا ہوگا اور ہم نادان اسے آج تک حرف بحرف استعمال کر رہے ہیں حالانکہ سماجی کاموں کے ماہرین اس پر لعنت کرتے ہیں۔ انجمن ترقی اردو اس کی ترمیمی صورت بھی پیش کرے۔

یہ غور کرتا ہے اور سنتی عوام اس کے غیر حقیقی قول میں حقیقت کا رنگ بھرنے پر توجہ دیتے ہیں۔ سب سے پہلے کی بغیر انتقال کو دہرائے اور انہیں بیچ کے سادہ لوحوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ آج کے دور میں یہ کہا کہ ترتیب بدل جاتی ہے۔

اقوال کو اپنے حالات کے مطابق ڈھالنے کی ناگزیر ضرورت کو محسوس نہ کرنا اگر ہم ناموروں محققین کی توجہ چاہیں

یہ تمام اس ضرورت کا احساس دلانے میں چونکہ ہم کے لئے اسے اقوال زریں کے چند نمونے پیش کئے دیتے ہیں کہ سند رہیں اور بوقت ضرورت کام آئیں۔

البیرونی کا قول ہے:

"محنت اور ہنر مندی سے روزی حاصل کرو۔ ذلیل اور برے پیشے مت اختیار کرو۔"

سب جانتے ہیں کہ البیرونی کی وفات کو ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ مرحوم کو کیا خبر تھی کہ ایک دور ایسا بھی آئے گا جب ذلیل اور برے پیشے کے بغیر روزی کمانے میں کوئی دقت سے پہلے دو بیچ ہو جائیں گے۔ اور معاشرے میں وہ لوگ پیچھے رہ جائیں گے جو اس قول کو تاقیامت پر اعتبار کریں گے۔ ذلیل اور برے پیشوں اور ذرائع سے روزی کمانے والے نہ صرف دولت میں کھیل رہے ہیں بلکہ معززین میں بھی شامل ہیں اور عزت نفس سے روزی کمانے والے کی عزت خود اس کی بیوی تک نہیں کرتی۔ ایسی صورت میں کیا اس قول کو حقیقت کا رنگ دینے یوں ہونا چاہئے کہ "محنت اور ہنر مندی سے ذلیل اور برے پیشے بہتر ہیں اور ان سے عزت اور دولت بآسانی حاصل ہوتی ہے۔"

حکیم لقمان کا قول ہے:

"علم جیسی کوئی دولت نہیں۔ اور جہالت جیسی کوئی غربت نہیں۔"

ہمارے سامنے ہیں اہل علم اور بے علم اہل ثروت کی جو مثالیں سامنے ہیں۔ ان کی روشنی میں ہم نے اس قول سے عرق ریزی "کا لفظ حذف کر کے اسے حقیقت کے قریب کر دیا ہے۔ گویا اب یہ قول اس طرح ہونا چاہئے کہ:

"علم کوئی دولت نہیں اور جہالت کوئی غربت نہیں۔"

ایک مقولے میں حاکم کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ "اچھا حاکم وہ ہے جو برائی کو روکے اور اچھائی کو پھیلانے کا حکم دے۔"

جہاں تک حکم دینے کا تعلق ہے ہمارا ہر حاکم اس معیار پر پورا اترتا ہے۔ ہمارے حکمرانوں نے برائی کو روکنے اور اچھائی کو پھیلانے کے احکامات بکثرت جاری کئے ہیں لیکن معاشرہ گواہ ہے کہ بات کبھی حکم سے آگے نہیں بڑھی لہٰذا اس قول کو احوال ہم آہنگ کرنے کے لئے "صرف" کا اضافہ لازم ہے۔ اس قول کی ترمیمی صورت یہ ہونی چاہئے۔

"اچھا حاکم وہ ہے جو برائی کو روکنے اور اچھائی کو پھیلانے کا "صرف" حکم دے۔"

اقوال کی اس پہچان پرکھ میں ہم نے بزرگوں کی نصیحت پر بھی غور کیا۔ جس میں پولیس والوں کی دوستی اور دشمنی دونوں سے گریز کا مشورہ دیا گیا ہے۔ تجربے اس قول کو مکمل طور پر نظر انداز کر گیا۔ پولیس کی دوستی سے دامن بچایا ان کی جان کی سلامت رہا ہم ہمیں پولیس کی دشمنی مول لینا دانشمندی کے خلاف ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی پولیس والی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب ہم پولیس کی گود لینے کا نے کا لطف اٹھا رہے ہیں اور جو اصول توڑنے کے باوجود آج تک اپنی جگہ کھڑے ہیں اور ان میں پولیس کی ہمارے اخلاق، شائستگی، شرافت موجود ہے۔ اور یہ سب کچھ پولیس سے دوستی کی وجہ سے ہے۔ وقت کا اہم تقاضہ ہے اور اس کے لئے ہم اپنے آپ کو سرکاری اور غیر سرکاری دانشوروں انجمن ترقی اردو ادب کے محققین اور اہل علم سے یکساں طور پر متوجہ کرتے ہیں کہ وہ احوال اور اقوال کو ہم آہنگی کرنے کر بستہ ہو جائیں تاکہ قول و عمل کا وہ تضاد دور ہو جس کے ہم سب شاکی اور عادی ہیں۔

بس سٹاپ پر گاڑی کا انتظار کرتے ہوئے... بس آنے تک شاید ان کی فہرست میں نام آ جائے!

ظلم ڈھانا کوئی گناہ نہیں، ظلم سہنا بڑا گناہ ہے۔ (نپولین)

اس ہفتے کا منتخب افسانہ — حسن

سوندھی خوشبو

اصلی مٹی خون اور پسینہ مانگتی ہے۔ اور پھر صبر کا امتحان لے کر خوشبو دیتی ہے۔

ابّا مرحوم کی زندگی میں میں نے جتنے عیش کئے تھے، اب وہ سب ایک ایک کر کے اپنی قیمت وصول کر رہے تھے۔ بے فکر زندگی کچھ یوں تھی کہ علی الصباح کالج جاتا تو واپسی پر کلب سے ہوتا ہوا آتا۔ تو دس بجے لوٹتا تھا۔ کلب میں ٹینس ہوتی تھی، سوئمنگ ہوتی تھی لائبریری تھی۔ لڑکیاں تھیں اور وہ محبت تھی جو ہمارے افسانوں کی جان ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ میں دکھ نام کی کسی چیز سے واقف نہ تھا۔

والد صاحب کا انتقال ہوا تو زندگی کی تختیاں بہار میں کرکری ہو گئیں۔ مجھ سے چھوٹی چار کنواری بہنیں تھیں اور میں ان کا اکلوتا بھائی۔ اماں نے سب کچھ بیچ دیا مگر میری انجینئرنگ کی تعلیم ادھوری نہ رہنے دی۔ بی اے کیا تو والدہ بہنوں کے ساتھ اپنے گاؤں جا چکی تھیں۔ شہر کے اخراجات برداشت کر تیں تو کیسے! اس لئے گھر میں خالص ۔ اور سٹور کر لیتیں۔

ماحول میں پلا بڑھا تھا، اپنے آپ کو کسی طور عیش و آرام سے دور نہ رکھ سکا۔ جائداد سب کچھ بک گیا۔ اب میرے سامنے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا کہ ماموں کی بات مان لوں اور ان کے دوست کے پاس کویت چلا جاؤں۔ جہاں دو سو دینار کی نوکری میری منتظر تھی۔ فری بورڈنگ لاجنگ، طبی امداد اور ٹرانسپورٹ کی سہولتیں مجھے کویت کے ریگزار میں لے آئیں ورنہ میرا جی وطن چھوڑنے کو نہیں چاہتا تھا۔

کویت میں آمد خلاف توقع اتنی بُری ثابت نہ ہوئی۔ ہماری البرڈ کمپنی ریفائنریوں کی تھی اور اس نے ریگزاروں کے بیچوں بیچ تیل کے کنوؤں کے ارد گرد اپنی ایک بستی بسا رکھی تھی۔ پوری بستی غیر ملکیوں پر مشتمل تھی۔ گرمی دو چیزوں کو دیکھ کر میری باچھیں کھل گئیں۔ وہ ٹینس کورٹس کا ایک سلسلہ اور ایک عدد اولمپک سائز سوئمنگ پول تھا۔

معلوم ہوا کہ اس کمپنی کا اپنا ایک کلب بھی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی میں نے اپنی مصروفیات تقریباً ویسی ہی رکھیں جیسے اپنے وطن میں تھیں۔ سارا دن اپنے آپ کو ایئر کنڈیشنڈ آفس میں بند رکھتا۔ جہاں شام ہوتی سوئمنگ پول کی طرف چل دیتا۔ دو چار سمر سالٹ لگاتا۔ کچھ دیر تیرتا پھر ایک ٹینس کا سیٹ لگا کر لائبریری میں جا بیٹھتا۔ لائبریری میں میرے پسندیدہ فلسفیوں ہیگل سے لے کر سارتر تک کی کوئی کتاب نہیں تھی اور جرائم سے بھری جاسوسی یا رومانی ناول میں پڑھ ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اخبار اور میگزین کھنگال ڈالتا۔ ساری دنیا کی خبریں پڑھتا اور رات ہوتے ہی ذہن سے بستر پہ آ گرتا۔ تکیے کے نیچے رکھے اپنے وطن کا کوئی اچھا ماہنامہ نکالتا اور اپنے دیس کی مٹی کی سوندھی خوشبو تلاش کرنے کی کوشش کرتے کرتے نیند کی آغوش میں چلا جاتا۔ یہ میرے روزمرہ کا معمول تھا۔

اس روز میں سید علی ارسلان کا تازہ اور گرما گرم افسانہ "دلالے شر" پڑھنے لگا۔ افسانہ کسی ایسی شخصیت کے بارے میں تھا جو پیٹ کی خاطر کسی عرب ملک چلی جاتی ہے۔ اور ایک طویل عرصے کے بعد وطن لوٹ آتی ہے۔ افسانہ ختم کر کے میں نے بھرپور انگڑائی لی اور اپنی عمر کے ماہ و سال شمار کرنے لگا۔ چودہ سال کی عمر میں میٹرک کیا تھا۔ ایک سال داخلہ پالیسی اور کلاس شروع ہونے میں لگا۔ چار سال انجینئرنگ کے اور دو سال نتائج کے انتظار میں گزرے۔ اب میں ۲۰ سال کا ہو گیا ہوں۔ گویا میں نے چھ سال اس ریگزار میں گزار دیئے ہیں۔ اب

میں ایک ہزار دینار تنخواہ پا رہا ہوں۔ چاروں بہنوں کی شادیاں ہو چکی ہیں۔ میں کسی ایک کی شادی میں بھی نہ جا سکا تھا۔ بس یونہی اپنے خول میں بند رہا۔ میں نے اپنا سر جھٹکا اور دوسرا افسانہ پڑھنے لگا۔ بیان کا۔ چھوٹے بڑے لوگ۔ پڑھ کر مجھ پر جھرجھری سی آ گئی۔ یا اللہ! یہ اس شمارے کی ساری کہانیاں میرے ذہن و دل کے تاروں کو کیوں چھیڑ رہی ہیں۔ میں نے گھبرا کر رسالہ بند کر دیا۔ اور یادوں کی بھول بھلیوں میں کھو گیا۔

اچانک دستک کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے ناگواری سے دروازے کی طرف دیکھا۔ شاید روم سروس کا اٹینڈنٹ ہو گا۔ یہ کوئی وقت ہے آنے کا؟ میں جھنجھلا گیا لیکن نرم لہجے میں بولا۔
"کم ان پلیز!"

ذرا سے وقفے کے بعد دروازہ کھلا۔ گویا اندر آنے والا اس بے تکلف دعوت پر کچھ کنفیوز ہو گیا تھا۔ دروازے کی چوکھٹ پر کھڑے ملاقاتی کو دیکھ کر مجھے حیرت کے باعث بستر سے اٹھ جانا پڑا۔ یہ ایک سنہرے بالوں والی یورپی لڑکی تھی۔

"ایکسکیوزمی میڈم" میں نے جلدی جلدی قمیض پہنتے ہوئے کہا۔ "فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

لڑکی کے چہرے پر صدمے کے سے آثار نمودار ہوئے۔ جیسے میں نے غیر متوقع طور پر کوئی نہایت ہی ناشائستہ حرکت کی ہو۔

"مسٹر شاہ! وہ تاسف بھرے لہجے میں بولی "میں کوئی میڈم نہیں۔ آپ کی ٹینس پارٹنر گینی ہوں۔"

"گینی۔ اوہ آئی ایم سوری!" میں نے کمرے کی لائٹیں کھول دیں۔ دراصل یہاں لائٹ کم تھی۔

"بات یہ نہیں ہے سلیم!" اس نے مجھے سلیم کہا تو میری جان میں جان آئی۔ "ایک دو بار پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے۔ میں آپ سے لائبریری اور سوئمنگ پول پر ملی تو آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ آپ نے مجھے دیکھا تو تھا مگر نظروں میں اجنبیت تھی۔"

"سوری گینی!" میں نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔ "دراصل میرا دماغ کچھ ابنارمل ہے جب میں آفس میں ہوتا ہوں تو میرے پیش نظر صرف کام ہوتا ہے۔ جب ٹینس کھیلتا ہوں تو پوری توجہ اسی پہ مرکوز کر کے کھیلتا ہوں۔ گویا پانی

ہو میرے باس کا چہرہ ہو۔ یوں میں آفس کی یادیں مٹا دیتا ہوں۔ اور جب اپنے کمرے میں آتا ہوں تو ایک آدھ افسانہ پڑھ کر کچھ یوں محسوس ہوتا ہے گویا میں اپنے وطن میں، اپنے گھر میں اپنے بستر پر لیٹا ہوں۔ اور قریب ہی میری ماں سو رہی ہے تب جا کر مجھے نیند آتی ہے۔ جب تم آئیں تو میں نے اپنے آس پاس پاکستان بسا رکھا تھا۔ اس لئے نہ پہچان سکا۔"

گینی مسکرائی "اس پوری بستی میں ہم صرف چار لڑکیاں ہیں جو اسپتال کی نرسیں ہیں۔ سوئمنگ پول یہاں اس لئے ہنگی پڑتی ہے کہ لوگ صرف نکیٹی دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ دوسری پانچوں لڑکیاں عموماً ڈیٹنگ کے لئے سوئمنگ پول آتی ہیں۔ مگر مجھے اس کی عادت نہیں۔"

میں گینی کو دیکھ رہا تھا۔ اور رفتہ رفتہ سب چیزیں یاد آ رہی ہیں۔ گینی ایک پرکشش جسم کی لڑکی تھی۔ اس کا چہرہ عام امریکی اسپورٹس وومن کی طرح سخت نہ تھا۔ پانچ فٹ دس انچ لمبی یہ لڑکی کافی طاقتور تھی اور اس کے شاٹس بہت پاورفل ہوتے تھے۔

"تمہارے متعلق لڑکیوں میں بڑی باتیں ہوتی ہیں۔" گینی بولتی رہی "تم سوئمنگ کے لئے اتنے پیسے خرچ کرواتے ہو مگر فضول آسے دو چار ڈائیو لگاتے ہو۔ تھوڑی دیر تیرتے اور باہر نکل کر گھورتے ہو۔ کسی نے تمہیں لڑکیوں کو دیکھ کر ہونٹوں پر زبان پھیرتے دیکھا ہے۔ بس میں ایک تمہاری ٹینس پارٹنر ہوں۔ جب میں نے ہم دونوں کے افیئر کا سنا تو ہنسے بغیر نہ رہ سکی۔ ان کے خیال میں تم میری محبت کی وجہ سے ان کی طرف دیکھتا گناہ خیال کرتے ہو۔ میں جب ان کے الٹے سیدھے سوالات کا جواب نہ دے پائی تو وہ سمجھیں کہ میں چھپا رہی ہوں۔"

"شاید تم یقین نہ کرو۔" میں نے کھسیانی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "میں نے کبھی کچھ نوٹ نہیں کیا؟"

"میں یقین کرتی ہوں!" اس نے کسی قدر سنجیدگی سے مگر مسکراتے ہوئے کہا۔ "سوئمنگ کے بعد ٹینس کھیلتے وقت تم نیند کی کیفیت میں معلوم ہوتے ہو البتہ بعد میں کچھ فریش نظر آتے ہو۔"

"وہ لوگ احمق ہوتے ہیں جو ٹینس پہلے کھیلتے ہیں۔ اور تھکن دور کرنے کے لئے سوئمنگ کرتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "اس سے پٹھے اکڑ جاتے ہیں۔ پہلے میں ٹھنڈے ٹھنڈے پانی

سے تازگی حاصل کرتا ہوں اور پھر ٹینس کا ایک گیم کھیل لیتا ہوں تا کہ پسینہ بہہ کر مسامات کھل جائیں۔"

گینی کو میرے ڈاکٹری تجزیوں سے کوئی دلچسپی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ وہ کونے میں رکھی ایک صراحی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً اس کے چہرے پر حیرت اور مسرت کے آثار نظر آئے۔

"ارے یہ پوٹری ورک کس کا ہے؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

"یہ میرا شوق ہے۔" میں نے فخریہ بتایا۔ "میں پاکستان سے یہ اسپیشل مٹی منگاتا ہوں اور سونے سے پیشتر اس پر کچھ کام کرتا ہوں۔ یہ جتنے ظروف نظر آ رہے ہیں نا۔ یہ سب اسی مٹی کے ہیں اور میں نے خود بنا کر رنگ کیا ہے۔"

"تم سچ مچ ایک مشرقی آدمی ہو۔" گینی کے چہرے پر ایسی مسرت ہویدا تھی جیسے کسی کو گمشدہ خزانہ مل گیا ہو۔ "اب پتہ چلا ہے میں نے یہاں نرسنگ کا جاب اس لئے قبول کی تھی کہ مجھے مشرق دیکھنے کا بڑا شوق تھا، پُراسرار مشرق۔ مگر یہاں آئی تو وہی اسکائی اسکریپرز، وہی ڈسکو ڈانس کلب، وہی مصنوعی ٹھنڈی ٹھنڈی سی زندگی۔ ادھر برف گرتی ہے تو یہاں کئی کئی ٹن والے ایئر کنڈیشنرز چلتے ہیں۔ یہاں آ کر بڑی دل گرفتہ ہوئی کہ کیا اسی لئے اپنا گھر بار چھوڑ کر ان ریگزاروں میں آئی تھی۔ خیر یہ بتاؤ کہ تم مشرقی لوگ مٹی کے اتنے دیوانے کیوں ہوتے ہو؟"

میں مسکرایا جیسے بزرگ کسی نادان بچے کے معصوم سوال پر مسکراتے ہیں۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر کونے میں رکھی تازہ بنی ہوئی ایک صراحی اٹھائی اور پورا ایک گلاس پانی اس پر الٹ دیا۔ کوری صراحی پورا گلاس پی گئی اور ایک قطرہ بھی نیچے نہ ڈھلکا۔ چٹ پٹ مٹی کے کڑکنے کی آواز آئی۔ اور کمرے میں سوندھی سوندھی خوشبو پھیل گئی۔ میں نے احتیاط سے صراحی کو سونگھا تو ایک آسودہ سی مسکراہٹ میرے چہرے پر پھیل گئی۔ گینی یہ سب بڑی حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ وہ تیز قدموں سے گئی۔ اور ایک بڑے برتن میں رکھی مٹی کو چھو کر دیکھا پھر اس نے اس پر پانی چھڑکا اور سونگھنے کی کوشش کی گرم مٹی سے گرد کا ایک ننھا سا بادل اٹھا اور گینی کھانسنے لگی۔ میں ہنستے ہنستے دہرا ہو گیا۔

"گینی ڈیئر یہ پاکستانی مٹی ہے۔" میں نے غرور سے کہا۔ "اصلی مٹی ہے۔ اصلی مٹی خون اور پسینہ مانگتی ہے اور پھر صبر کا امتحان لے کر خوشبو دیتی ہے۔ نرم مٹی پر پانی چھڑکتے ہی خوشبو کی طالب ہو گی تو کھانسی ہی ملے گی!"

"یہ کیسی بو ہے؟" گینی نے ناک سکیڑتے ہوئے کہا۔ "یہ تو کوئی خوشبو نہیں ہے۔" میں نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ "سوندھی خوشبو۔ اس کی کوئی انگریزی نہیں۔ یہ خوشبو تمہارے ہاں نہیں ہوتی اسی لئے تمہیں اس کا ادراک نہیں۔"

"ہمارے پاس تو اتنی خوشبوئیں ہوتی ہیں کہ ساری دنیا مہک جائے۔" گینی شاید برا مان گئی تھی۔ "میلوڈی، کرسچن، شنیل، آرامس، اطالین، ایکو، رہ بان۔"

"اونہہ!" میں نے بات کاٹ دی۔ "یہ بھی کوئی خوشبوئیں ہیں؟ سب ایک جیسی ہوتی ہے کوئی سنسنیک گیس جیسی، میٹھی اور مدہوش کرنے والی، کوئی جذبات بھڑکانے والی۔ کسی کو سونگھو تو دانت کٹکٹانے لگیں۔ ناخنوں میں کھجلی ہونے اور عضلات سنسنانے لگیں!"

اب گینی نے نتھنے سکوڑ کر ہوا سونگھی تو تنائج بھرے انداز میں سر ہلانے لگی۔ جیسے کہ سوندھی خوشبو اس کے دل میں اتر گئی تھی۔ پھر اس نے جاتے جاتے مجھ سے وہ صراحی مانگ لی۔

✽ ✽ ✽

گھرے بچھڑے سات برس گزر گئے تھے۔ اماں کے خط پر خط آ رہے تھے کہ بہنوں کی شادی ہو چکی ہے۔ زمینیں خرید کر بھائیداد بنالیا ہے۔

بس اب تم آجاؤ تو تمہاری شادی بھی کر دیں۔ یہاں خاندان کی لڑکیوں سے ملا کھا ہو گیا ہے ادھر کوئی عرب لڑکی مل جائے تو سے آزاد ہے جب گینی نے میرا خول توڑ دیا تھا تو اس سے مجھے بڑی تکلیف پہنچی تھی۔ میری حالت اس بچے کی سی ہو رہی تھی۔ جو دانتوں میں گیگا ہٹ ہونے کی وجہ سے مٹی کھانے کی خواہش کرتا ہو مگر ماں سے ڈرتا ہو۔ کمپنی سے تین سال کے لئے کنٹریکٹ کی تجدید کئے مجھے پورا ایک سال ہو چکا تھا مگر ابھی صدیوں جیسے دو سال باقی تھے۔ میں نے بوکھلا کر سال کے آخر میں گینی سے شادی کر لی۔

گینی اس ماحول کی پروردہ تھی جس میں مذہب کو بھی صرف ایک اخلاقی حد کا درجہ دیا جاتا ہے اس نے کورٹ شپ کی بجائے مسلمان ہو کر شرعی نکاح کر والیا۔ اور گینی سے ثمینہ بن گئی۔ اسے میری ماں سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ اس لئے شادی کے کچھ عرصے بعد وہ میری ماں سے ملنے پاکستان چلی گئی اور میں دو سال کی قید معاہدہ بھگتنے کو تنہا رہ گیا۔ دو مہینے بعد گینی کا خط آیا میں نے بستر پر لیٹے لیٹے پڑھا۔

لکھا تھا: "سرتاج جہاں آ کر مجھے تم مشرقیوں کی اپنی مٹی سے محبت سمجھ میں آ گئی ہے۔ ہم یورپ اور امریکہ (جو بنیادی طور پر یورپی نسل کے ہوتے ہیں) اپنے بارش زدہ موسم میں کیچڑ تو پاتے ہیں مگر کراری مٹی نہیں۔ تم سچ کہتے تھے کہ سوندھی خوشبو کے لئے انگریزی میں کوئی لفظ نہیں کیونکہ یہ تو وہاں ہوتی ہی نہیں ہے۔ ہر آدمی کو اپنی شناخت سے محبت ہوتی ہے۔ ہم لوگ نظریاتی ہوتے ہیں۔ اور نظریات و روایات کو اپنی شناخت جان کر اس سے عشق کرتے ہیں۔ مگر تمہارے ہاں لگ بڑی گوری مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ مگر محبت کرنے والے مجھے یہ بتاتے ہوئے بڑی مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ میرے بطن میں پرورش پانے والا تمہارا بیٹا یا بیٹی بھی اسی دھرتی مٹی کی ہو گی۔"

میں یہ خط پڑھ کر سوچوں میں کھو گیا۔ پھر میں نے ہاتھ بڑھا کر اس برتن کو ٹٹولا جس میں پاکستان سے منگوائی ہوئی مٹی رکھتا ہوں۔ برتن خالی تھا۔ مٹی ختم ہو چکی تھی۔ میں نے جلدی جلدی لگائی اور بستر سے باہر نکل آیا۔ تا کہ اماں کو تار دے سکوں کہ مٹی ختم ہو گئی ہے۔ مگر کسی کے ہاتھ بھجوانے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ میں خود آ رہا ہوں اس مٹی کی سوندھی خوشبو سونگھنے کے لئے جس نے گینی کے دل میں میرے پیار کا بیج بو دیا۔ گینی جو میرے بچے کی ماں بننے والی ہے اور بیٹا پھر اپنے وطن کی مٹی سے کبھی دور نہیں ہو گا۔

غزل

رابعہ تبسم

گہری ۔۔۔ میں ظلم کے سائے
مجھے بچانے کوئی نہ آئے

گاتا ہوں اکیلے میں یادو
کون کسی کا درد بٹائے

دل سے نغمے اٹھ نہیں سکتے
کاہے کوئی ہم کو ستائے

لمبی عمر گزاری یوں تو
آخر وقت بھی وہ نہ آئے

رستہ بھولے ملی نہ منزل
اپنے ہاتھ سے لال گنوائے

کون تبسم زیست کا ساتھی
موت ہی آکر ساتھ نبھائے

جب گناہ کا ارادہ کرو تو خدا کی بادشاہت سے باہر نکل جاؤ۔ (ابراہیم بن ادہمؒ)

VISIT US FOR best quality

INDIAN GROCERIES, FRESH VEGETABLES, NUTS, SPICES ETC.

Pirpi's Dixieland Market

1108 PHARMACY AVE. (AT LAWRENCE) SCARBOROUGH

PHONE: 759-0473

رمضان المبارک کے موقع پر خاص رعایت کا اعلان

آپ کی بچت ہماری تجارت ہے

آپ کا اطمینان ہماری کامیابی ہے

INDIAN GROCERIES AND SPICES

1675 LAWRENCE AVE. EAST
SCARBOROUGH, ONTARIO, CANADA
(416) 752-7157

724 WILSON AVENUE
DOWNSVIEW, ONTARIO, CANADA
(416) [illegible]

WAREHOUSE
[illegible]
(416) [illegible]

HEAD OFFICE
4007 WAST NORTH AVENUE
MILWAUKEE, WISCONSIN 53208
USA (414) 871-2070

WHEN THEY LOSE TIME, PEOPLE LOSE LIVES.

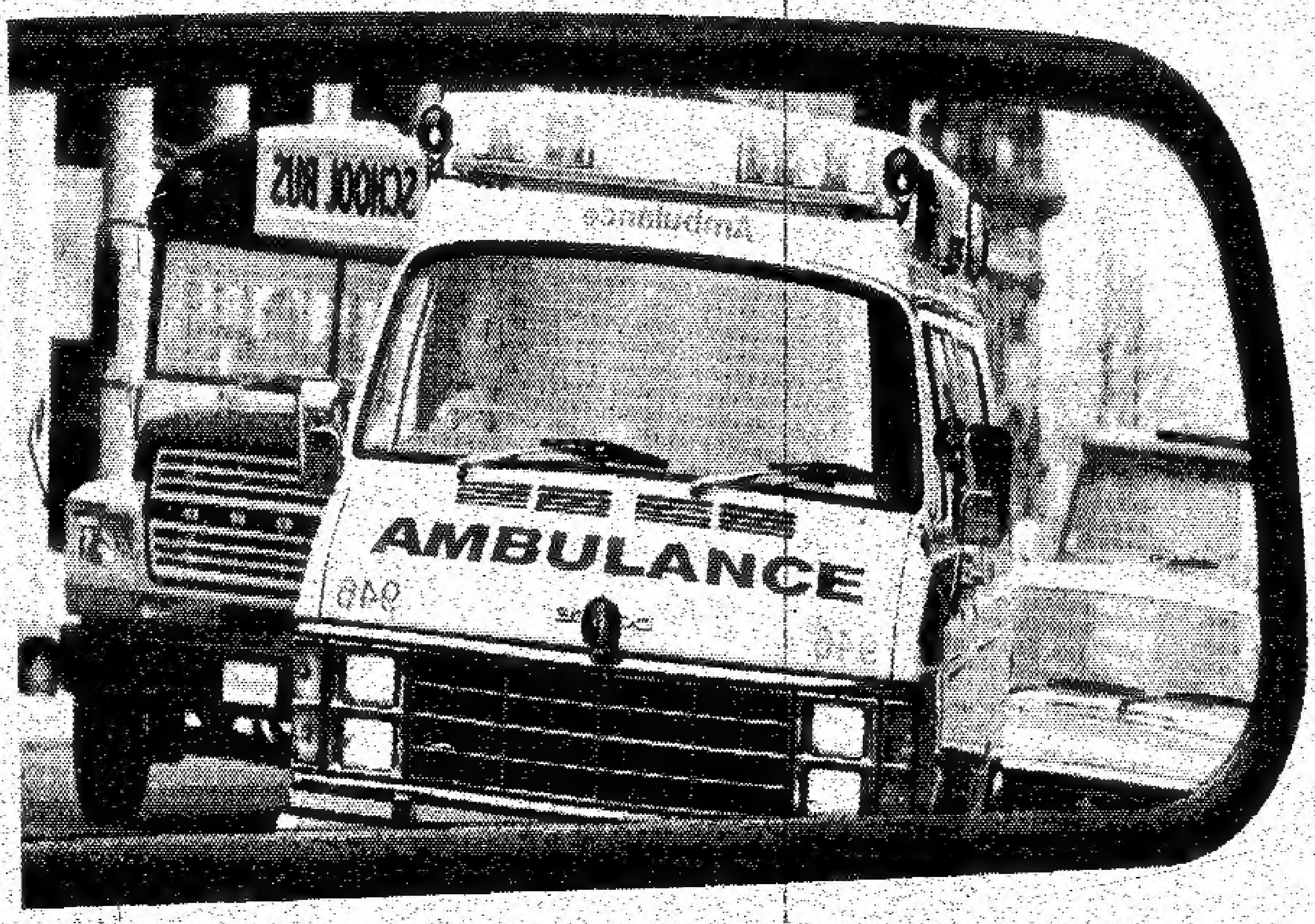

ایمرجنسی کی صورت میں ہر لمحہ اہم ہوتا ہے۔ اسی لیے گاڑی چلاتے وقت جب آپ سائرن کی آواز سنیں یا آگ بجھانے والی گاڑی کی جلتی بجھتی بتیاں دیکھیں، ایمبولینس یا پولیس کی کار، تو ایسے ایمرجنسی کے موقع پر درج ذیل قواعد کو اپنائیے۔

- ہمیشہ اپنی گاڑی کو سڑک کے کنارے، انٹرسیکشن کی رکاوٹ نہ بنتے ہوئے، روک دیجیے۔
- فائر ڈیپارٹمنٹ کی گاڑیوں کا پیچھا مت کیجیے۔ ہمیشہ ۱۵۰ میٹر (۵۰۰ فٹ) کے فاصلے پر رہیے۔

THE TIME THEY SAVE MAY SAVE LIVES.

Ministry of Transportation and Communications
Ontario
James Snow, Minister
William Davis, Premier

M & J TRAVEL

1240 BAY ST., TORONTO, ONTARIO, CANADA M5R 2A7
TEL. (416) 960-8348 – 960-8475